ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان

۶ جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ —— جون ۲۰۱۰ء

- لاہور میں قادیانی عبادت گاہوں پر حملے
- اقبال اور قادیانیت —— چند توضیحات
- حضرت معاویہؓ بحیثیت ایک خلیفۂ راشد
- کچھ ہونے والا ہے!

بیاد

شیخ المشائخ
حضرت مولانا
خواجہ خان محمد
رحمۃ اللہ علیہ

نورِ ہدایت

فرمانِ باری تعالیٰ جل جلالہ

"اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے خدا ان کا مددگار ہے۔ (وہ وقت تم کو یاد ہوگا) جب ان کو کافروں نے گھر سے نکال دیا (اُس وقت) دو (ہی شخص تھے جن) میں (ایک ابوبکر تھے) دوسرے (خود رسول اللہ) جب وہ دونوں غارِ (ثور) میں تھے اُس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ تو خدا نے اُن پر تسکین نازل فرمائی اور اُن کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو خدا ہی کی بلند ہے اور خدا زبردست (اور) حکمت والا ہے۔" (التوبہ، آیت ۴۰)

فرمانِ نبوی ﷺ

خلافتِ بلافصل سیدنا صدیقِ اکبرؓ

"محدثِ شہیر امام دارِ قُطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابِ سنن میں اور مؤرخ و محدثِ شام علامہ ابنِ عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابِ تاریخ میں براہِ راست سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ انھوں نے بیان کیا کہ: خود مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ: میں نے اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے پہلا خلیفہ بنانے کے متعلق تین بار درخواست کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اِس سے انکار کیا اور ابوبکر کو پہلا خلیفہ بنانے کے فیصلہ کا اظہار فرمایا۔" (الصواعق المحرقہ مع تطہیر الجنان، صفحہ ۲۱)

الآثار

عظمتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لوگو! یاد رکھنا ابوبکر نے میرا اس وقت ساتھ دیا جب میرے خاندان والوں نے بھی مجھے جھٹلا دیا تھا۔ وہ اس وقت مجھ پر ایمان لایا جب لوگ مجھے شاعر و مجنون کہتے تھے۔ کائنات میں کوئی ایسا انسان نہیں جس کے سامنے میں نے اسلام پیش کیا ہو اور وہ تردد میں نہ پڑا ہو مگر ایک صدیق اکبر کے سوا جس نے ایک لمحہ کی تاخیر کیے بنا میری نبوت کی گواہی دی اور مجھ پر ایمان لے آیا۔ یاد رکھو! اس کے خلاف زبان درازمت کرنا اس نے مجھ پر بہت احسان کیے ہیں۔ کہ جب سب نے میری تکذیب کی اس نے مجھے سچا کہا۔ یہ وہ شخص ہے جو مجھے ہجرت کرا کے لایا، کبھی کندھوں پر اٹھاتا تھا اور کبھی سواری پر بٹھاتا تھا۔ میرے گھر میں بے آبادی تھی۔ میری خدیجہؓ فوت ہوگئی تو میں غمگین تھا۔ مجھے اداسی تھی وطن سے بے وطن تھا۔ خاندان سے جدا تھا ہر چیز چھن گئی تھی میں بالکل تنہا تھا۔ اس نے اپنی چھوٹی بچی دے کر میرا گھر آباد کیا۔ میرے گھر میں فاقہ کشی کی نوبت تھی تو مجھے کھانے کے لیے پیسے بھیجنے والا ابوبکر تھا۔ خدا کی قسم دنیا میں ایسا کوئی انسان نہیں جس نے مجھ پر احسان کیا ہو اور میں نے اس کے احسان کا بدلہ نہ اتار دیا ہو۔ لیکن ایک ابوبکر ہے کہ میں قیامت تک اس کے احسانات کا بدلہ نہیں اتار سکتا۔ ابوبکر کو اس کے احسانوں کا اجر اللہ کی بارگاہ سے ملے گا۔

سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

خطاب: بہ موقع یوم صدیق اکبر، احمد پور شرقیہ

ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

| جلد 21 شمارہ 5 | جمادی الاوّل 1431ھ ——— مئی 2010ء

Regd.M.NO.32, I.S.S.N.1811-5411

بیاد: سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب

دل کی بات:	اٹھارہویں ترمیم کی منظوری	عبداللطیف خالد چیمہ	2
شذرات:	ڈاکٹر اسرار احمد کی رحلت	محمد عابد مسعود	4
	لاہور میں علماء کا کامیاب اجلاس اور توقعات		
دین و دانش:	خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی	مولانا عبداللطیف مدنی	5
؍؍	حضرت معاویہؓ بحیثیت ایک خلیفۂ راشد	مولانا ابوریحان سیالکوٹی	10
؍؍	سیدنا حبیب بن زید رضی اللہ عنہ	ارشاد الرحمن	17
شاعری:	ترا اسم ہے مری زندگی (حمدیہ)	ڈاکٹر اسلم انصاری	21
؍؍	نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	پروفیسر خالد شبیر احمد	23
افکار:	مغرب کی دہشت گردی اور درندگی کا ایک باب	مولانا محمد عیسیٰ منصوری	24
؍؍	یہ ہیں ہمارے ملک کے سیاست دان	پروفیسر خالد شبیر احمد	29
؍؍	امتیازی قوانین کا خاتمہ مطلوب ہے!	عبدالرشید ارشد	32
شخصیت:	شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ	شاہ بلیغ الدینؒ	36
ردِّ قادیانیت:	قادیانی تحریک: پس منظر اور پیش منظر	زیڈ اے سلہری	38
؍؍	قادیانی گروہ کی لندن بسوں پر اشتہاری مہم	مولانا سہیل باوا	43
اقبالیات:	اقبال اور قادیانیت	ڈاکٹر ایوب صابر	46
طنز و مزاح:	زبان میری ہے بات اُن کی	ساغر اقبالی	53
اخبار الاحرار:	مجلس احرار اسلام پاکستان کی سرگرمیاں	ادارہ	48

زیرِ سرپرستی ——— حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیر مسئول ——— سید محمد کفیل بخاری

رفقائے فکر ———

عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد

مولانا محمد مغیرہ • محمد عمر فاروق

قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس

مفتی سید صبیح الحسن ہمدانی

سید عطاء المنان بخاری

تزئین ———

الیاس نبیل، حافظ محمد نعمان سنجرانی

سرکولیشن منیجر ———

محمد یوسف شاد 0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ

اندرونِ ملک ——— -/200 روپے

بیرونِ ملک ———/1500 روپے

فی شمارہ ——— -/20 روپے

ترسیلِ زر بنام ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر 1-5278-100

بینک کوڈ 0278 یو بی ایل چوک مہربان ملتان

رابطہ: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

☎061-4511961

www.mahrar.com

majlisahrar@hotmail.com

majlisahrar@yahoo.com

تحریک تحفظ ختم نبوۃ شعبۂ تبلیغ مجلس احرار اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت، دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر سید محمد کفیل بخاری طابع آشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات

اٹھارہویں ترمیم کی منظوری

عبداللطیف خالد چیمہ *

تمام سیاسی جماعتوں اور سیاسی زُعماء کے اتفاق رائے سے آئین میں اٹھارہویں ترمیم کے نام پر ایک ایسا آئینی پیکیج تیار کیا گیا جسے ۲/اپریل ۲۰۱۰ء کو پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا۔ ضروری بحث وتمحیص کے بعد قومی اسمبلی نے اس کی متفقہ طور پر منظوری دی جو مجموعی طور پر خوش آئند ہے۔

کہا اور لکھا جا رہا ہے کہ اس ترمیم سے پارلیمنٹ کے سلب کردہ اختیارات اس کو واپس تفویض ہو گئے اور وزیر اعظم کے لیے تیسری مرتبہ یہ منصب حاصل کرنا ممکن ہو گیا ہے۔ تقریباً سات ماہ قبل سپیکر قومی اسمبلی ڈاکٹر فہمیدہ مرزا نے میاں رضا ربانی کی سربراہی میں پارلیمنٹ کی ۲۷ رکنی کمیٹی برائے آئینی اصلاحات قائم کی۔ اس کمیٹی کے ذمے اٹھارہویں ترمیم کے لیے متفقہ مسودہ لانا تھا۔ ۲۷ رکنی اس کمیٹی نے سات ماہ کی محنت سے ۱۰۲ شقوں پر مشتمل اٹھارہویں ترمیم کا آئینی پیکیج تیار کیا۔

ہماری رائے میں اٹھارہویں ترمیم میں پرویز مشرف دور کی سترویں ترمیم کی متعدد متنازعہ شقوں کو پوری طرح بحال وبرقرار رکھا گیا ہے جن کا ختم کرنا از حد ضروری تھا۔ آئینی اصلاحات کمیٹی کے اجلاسوں اور سفارشات کے حوالے سے آن دی ریکارڈ اور آف دی ریکارڈ بہت سی باتیں سامنے آتی ہیں۔ خصوصاً آئین کی اسلامی دفعات کو ختم کرنے کے لیے بعض حلقے اور ممبران سرگرم رہے۔

ایم کیو ایم اور اے این پی کے اختلافی نوٹس خصوصاً قرار دادِ مقاصد، آئین کی دفعہ 2-A تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور تحفظ ختم نبوت جیسے قوانین کو چھوڑنے کی کئی مواقع پر مذموم کوششیں ہوئیں۔ سربراہِ مملکت کے لیے مسلمان ہونے کی شرط ختم کرنے کے لیے بہت ہاتھ پیر مارے گئے۔ اس ساری کہانی کے حوالے سے پروفیسر خورشید احمد اور ایس ایم ظفر کی شہادتیں ریکارڈ کا حصہ بن چکی ہیں۔ تمام دینی قوتوں نے آئینی اصلاحات کمیٹی کے متعلقہ فورم اور عوامی محاذ پر اس مسئلہ کے حوالے سے سرگرم کردار ادا کیا۔ خصوصاً جناب رحمت اللہ گائز (جمعیت علماء اسلام) اور پروفیسر خورشید احمد (جماعتِ اسلامی) نے اسلامی دفعات کے دفاع اور آئین کی رد کے دفاع وتحفظ کے لیے حق ادا کر دیا لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ اسلامی دفعات کو برقرار رکھتے ہوئے اختلافی نوٹ بھی باقی ہیں اور آئینی کمیٹی کے ریکارڈ کا حصہ نہیں۔ جمہوریت کے علمبرداروں نے پارٹی انتخابات کی شرط ختم کرا دی ہے جو مستقبل میں کئی قباحتوں کا سبب بن سکتی ہے۔

سرِ دست اسلامی دفعات محفوظ رہ گئی ہیں لیکن خدشات پہلے سے بھی بڑھ گئے! ہمیں ہرگز مایوسی نہیں لیکن ہوم ورک اور نئی صف بندی کی فرصت پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو گئی ہے۔ ایسے میں آئینی حدود کے کون سے راستے اور کون سے زاویے میں ہمیں دیگر کاموں کے ساتھ ساتھ ان کا حقیقی ادراک کر لینا چاہیے اور اپنی آئینی جدوجہد کو منظّم کرنے کے لیے تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لانے چاہییں۔

* سیکرٹری جنرل مجلس احرارِ اسلام پاکستان

ڈاکٹر اسرار احمد کا سانحۂ ارتحال

محمد عابد مسعود

ڈاکٹر اسرار احمد کا نام ہر پڑھا لکھا پاکستانی جانتا ہے۔ پاکستان کے باہر بھی ڈاکٹر صاحب کے چاہنے والوں کی کمی نہیں۔ ان کی وفات پر شائع ہونے والی خبروں اور مضامین میں اُن کے سوانحی حالات کی تفصیلات آ چکی ہیں ہم یہاں اُن کا تکرار نہیں کریں گے۔ اُن کی شخصیت کے دو پہلو ایسے ہیں۔ نمبر ایک قرآن پاک کی طرف عام آدمی کو رجوع کی دعوت جوان کی زندگی کا تقریباً اوڑھنا بچھونا تھی۔ آپ نے اپنی زندگی کا غالب حصہ اللہ کے پاک کلام کو پھیلانے میں صرف کیا اور قرآن پاک کی تفسیر کو گنجلک درسی اصطلاحات سے باہر نکال کے عام آدمی کی سمجھ اور دلچسپی کے مطابق بیان کیا۔ برصغیر پاک و ہند میں جن بزرگوں نے قرآن پاک کی دعوت کو پھیلانے کا کام خاص طور پر کیا کہ عام آدمی کی دلچسپی فہم قرآن سے پیدا ہو سکے۔ ان میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کا خاندان، علمائے دیوبند میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن اموی رحمۃ اللہ علیہ جن کی زندگی کا آخری حصہ قرآن پاک کی تعلیمات کو عام کرنے اور اس کے مکاتب کے قیام کی تحریک میں صرف ہوا جس کی بدولت آج پاکستان، انڈیا اور بنگلہ دیش کے دور دراز دیہاتی علاقوں میں بھی قرآن پاک کے ادارے قائم ہیں۔ حضرت شیخ الہند کی اس تحریک کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ عوام الناس کو درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معنیٰ اور تعلیمات سے روشناس کرایا جائے۔

ڈاکٹر اسرار، حضرت شیخ الہند کے زبردست مدّاح تھے اور ان کے مشن کی تکمیل کے لیے تمام عمر کوشاں رہے۔ روزمرہ کے پیش آمدہ مسائل اور سماجی تبدیلیوں پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ وہ مغربی فکر و فلسفہ سے مکمل طور پر آگاہ تھے۔ اس لیے ہمیشہ اپنی گفتگو میں مغرب، اُس کے طرزِ عمل اور تحریکات کو اسی تناظر میں موضوعِ بحث بنایا کرتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں زبردست قوتِ گویائی عطا فرمائی تھی اور انہوں نے ساری عمر قرآنِ پاک کی صدا لگانے میں اسے صرف کیا۔ علامہ اقبال کے پیغام پر اتھارٹی سمجھے جانے والے چند لوگوں میں سے وہ ایک تھے۔ تاریخ و سیاست پر بھی ان کی رائے ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتی تھی۔

دوسری بات جس کی وجہ سے انھیں اپنے زمانے کے اہلِ علم میں امتیاز حاصل تھا وہ خلافت علی منہاج النّبوۃ کے

قیام کے لیے اُن کی دردمندی اور کوشش تھی۔ اس سلسلے میں وہ جہاں مسلمانوں کی اس دولتِ گم گشتہ کے حوالے سے تاریخ اور سیرت پر گہری نظر رکھتے تھے وہاں دلائل کے ساتھ ساتھ وہ عقل کی آخری منزل عشق میں مبتلا تھے۔ اس معاملے پر اُن کی گفتگو اور خیالات عالمانہ سے زیادہ عاشقانہ نظر آتے ہیں۔ اس کے حوالے سے وہ جمہوری جدوجہد کے سخت خلاف تھے۔

ماضی قریب میں جب افغانستان میں شرعی حکومت کا قیام عمل میں آیا تو ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنے بعض تحفظات کے باوجود سادہ لوح سیاہ کپڑوں والے طالبان کے زبردست مداح تھے۔ اور اس حوالے سے انھوں نے جو کوشش وسعی فرمائی۔ جب کبھی اس صلیبی جنگ کی گرد بیٹھے گی تب یقیناً تاریخ لکھنے والوں کو ڈاکٹر صاحب مرحوم کا نام بھی ادب سے لینا پڑے گا۔ افسوس ہم اس قحط الرجال کے دور میں قرآن پاک کے شناور سے محروم ہو گئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

لاہور میں علماء کا کامیاب اجلاس اور توقعات:

گزشتہ دنوں جامعہ اشرفیہ لاہور میں دیوبندی مسلک کے اکابر علما کا ایک نمائندہ اجلاس منعقد ہوا۔ زیادہ تر اس کی تفصیلات روزنامہ ''اسلام'' میں اخباری رپورٹوں اور مضامین کی شکل میں لوگوں کے سامنے آچکی ہیں۔ ہمیں اخبارات اور اپنے ذرائع سے جو کچھ معلومات ملی ہیں وہ نہایت حوصلہ افزاء ہیں۔ ایک کام تو تقریباً ۱۰ سال پہلے ہو جانا چاہیے تھا اب ہوا ہے اور بہت اچھا ہوا ہے۔ اس کامیاب اجتماع کے لیے تمام اکابر علماء مبارک کے مستحق ہیں۔ خاص طور پر حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری جنھوں نے نہایت خوش اُسلوبی سے اس اجتماع کا انعقاد یقینی بنایا اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ حضرت قاری صاحب نے اجتماع سے پہلے قائدِ احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری سے رابطہ کر کے انھیں اس اجتماع میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ قائدِ احرار نے اپنی طے شدہ مصروفیات کے باعث قاری صاحب سے معذرت فرمالی تھی اور انھیں ہونے والے اجتماع میں اُس لائحہ عمل کی تائید سے بھی آگاہ کر دیا تھا جو بزرگ علماء نے وہاں طے کرنا تھا۔ مجلس احرار اسلام باہمی اتفاق واتحاد کی ہر کوشش کی تحسین کرتی ہے اور علماء کی خادم جماعت کے طور پر اپنے تعاون کا یقین دلاتی ہے۔

خدا کرے اس تاریخی اجتماع کے موقع پر نظر آنے والا جوش وجذبہ میٹنگز تک ہی محدود نہ رہے بلکہ اس کے ذریعے باہمی طور پر پیدا ہونے والے ہر قسم کے جھگڑے ختم ہونے چاہییں اور تمام علماء ایک پلیٹ فارم سے متفق ومتحد ہو کر پاکستان کے استحکام اور وطنِ عزیز میں نفاذِ شریعت کے مطالبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنا کردار ادا کر سکیں۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی

مولانا عبداللطیف مدنی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال یاد کرنے رکھنے کا اہتمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس لیے بھر فرماتے تھے کہ وہ انھیں اپنے لیے دونوں جہان کی سعادت اور خوش بختی یقین کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک دعاؤں کے گرویدہ تھے خصوصاً جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشاد ان کے سامنے آ چکے تھے۔

(۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :نَضَّرَ اللّٰہُ اِمْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِیْثاً فَحَفِظَہٗ حَتّٰی یَبْلُغَہٗ

(ترمذی ص،۹۰ ج۲)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ و شاداب رکھے جس نے میری حدیث سنی پھر اس کو یاد کیا تا کہ اس کو دوسروں تک پہنچائے۔

(۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَللّٰھُمَّ اِرْحَمْ خُلَفَائِیْ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَنْ خُلَفَائِکَ؟ قَالَ الَّذِیْنَ یَرْوُوْنَ اَحَادِیْثِی وَیَعْمَلُوْنَھَا النَّاس (الطبرانی)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت سے دعا کی اے اللہ میرے خلفاء پر رحم فرما صحابہ کرام نے گزارش کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے خلفاء کون ہیں؟ ارشاد فرمایا وہ جو میری احادیث روایت کرتے ہیں اور لوگوں کو سکھلاتے ہیں۔

(۳) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَی صَلَاۃً(ترمذی)

یعنی قیامت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب ان لوگوں کو زیادہ نصیب ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ درود بھیجنے والے ہوں گے۔ اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ علم حدیث میں مشغول ہونے والوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی دوسرا درود بھیجنے والا نہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا کون دلدادہ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک دعائیں دراصل دنوں جہانوں کی سعادت اور خوش بختی کی کلید ہیں۔

دوسرا طریقہ تعامل:

حدیث شریف کی حفاظت کا دوسرا طریقہ جو صحابہ کرام نے اختیار کیا تھا وہ تعامل تھا یعنی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال پر بجنسہا عمل کر کے اسے یاد کرتے تھے، بہت سے صحابہ کرام سے منقول ہے کہ انھوں نے کوئی عمل کیا اور اس کے بعد فرمایا ''هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ''

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کا ایک ایک باب اتباع وانقیاد کا حسین مرقع ہے ان کی ہر ہر ادا سے اتباعِ نبوی کی شان ٹپکتی ہے۔ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے مشرف اسی لیے کیا گیا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات، عبادات ومعاملات اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو اپنی ذات میں جذب کر کے اپنی استعداد کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگین ہو جائیں اور بعد میں آنے والوں کو اس رنگ میں رنگین کرتے چلے جائیں۔ بلاشبہ وہ رنگین بنے ہوئے تھے اور رنگین بنا رہے تھے۔

یہ حضرات صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاواسطہ تربیت یافتہ تھے ان حضرات کی تعلیم وتربیت کا سامان خود اللہ رب العزت کی جانب سے کیا گیا تھا، ان کی تربیت کے لیے قدم قدم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار ہدایات جاری فرمائی گئی تھیں۔ جیسا کہ قرآنی آیات اس پر شاہد ہیں۔ ان تثبیت (ثابت قدم رکھنے کے لیے) فرشتوں کو بھیجا گیا تھا۔

مختصر یہ کہ وحی اور صاحب وحی جن کی تربیت کے نگران تھے ان کی تربیت کا رنگ کتنا پائیدار، کتنا پختہ، کتنا گہرا اور کتنا انمٹ ہوگا؟

بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا اثر ان کی زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں ہو رہا ہے۔ غرضیکہ یہ طریقۂ تعامل بھی نہایت قابل اعتماد ہے اس لیے کہ جس بات پر انسان خود عمل کرتا ہے وہ ذہن میں پتھر پر نقش کی مانند پائیدار اور انمٹ ہو جاتی ہے۔

تیسرا طریقہ کتابت:

حدیث کی حفاظت کتابت کے ذریعہ سے بھی کی گئی، کتابتِ حدیث کو تاریخی طور پر چار مرحلوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) احادیث کو متفرق طور پر زیبِ قرطاس کرنا۔

(۲) احادیث کو کسی ایک شخصی صحیفہ میں جمع کرنا۔ جس کی حیثیت ذاتی یادداشت کی ہو۔

(۳) احادیث کو کتابی صورت میں بغیر تبویب کے جمع کرنا۔

(۴) احادیث کو کتابی صورت میں تبویب کے ساتھ جمع کرنا۔

دورِ رسالت اور دورِ صحابہ میں کتابت کی پہلی دو قسمیں اچھی طرح رائج ہو چکی تھیں چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''مَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحَدٌ اَکْثَرَ حَدِیْثاً عَنْہُ مِنِّیْ اِلَّا مَا کَانَ مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمرٍو فَاِنَّہٗ کَانَ یَکْتُبُ وَلَا اَکْتُبُ'' (صحیح بخاری، جلد ا ص ۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس مجھ سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث محفوظ نہیں ہیں اور اس کی وجہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہی بیان کرتے ہیں کہ وہ احادیث کو لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

(۲) اسی طرح ابوداود اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کتابتِ حدیث کے بارے میں خود اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ:

میں جتنی باتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنتا تھا یاد رکھنے کے لیے ان کو لکھ لیا کرتا تھا۔ میرے اس طرزِ عمل کی جب قریش کو خبر ہوئی تو انھوں نے مجھے منع کیا اور کہا کہ تم ہر چیز کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہو لکھ لیا کرتے ہو حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آدمی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصے کی حالات میں بھی ہوتے ہیں اور خوشی کی حالت میں بھی۔ لہٰذا میں لکھنے سے رک گیا اور اس کا تذکرہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لکھو اور اپنے دہانِ مبارک کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا۔ (اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس سے کسی حالت میں بھی ناحق اور غلط بات نہیں نکل سکتی۔ (ابوداؤد، جلد ا صفحہ ۱۵۷)

(۳) بخاری شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال خطبہ ارشاد فرمایا تو ابوشاہ یمنی نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ خطبہ لکھوا دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اُکْتُبُوْا لِاَبِیْ شَاہٍ''

(بخاری باب کتابۃ العلم صفحہ ۲۱۔۲۲)

ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ احادیث پر مشتمل تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے احادیث کی کتابت ہو رہی ہے۔

منکرین حدیث کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابتِ حدیث سے ممانعت فرمائی ہے تو مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ کتابتِ حدیث کی ممانعت کسی امرِ عارض کی بنا پر تھی اور جب وہ امر عارض ختم ہوگیا تو کتابتِ حدیث کی اجازت بلکہ حکم ارشاد فرمایا گیا اور وہ امرِ عارض یہ تھا کہ ابتدا اسلام میں قرآنی آیات کے ساتھ التباس کا اندیشہ تھا۔ اس کے انسداد کے لیے قرآنِ کریم کے ساتھ احادیث لکھنے کے ممانعت فرمائی تھی۔ بعد میں وہ عارض ختم ہوگیا اور صحابہ کرام اسلوبِ قرآن کریم کے ساتھ پوری طرح مانوس ہوگئے۔

قرآنِ کریم سے الگ احادیث لکھنے کا رواج ہر دور میں جاری رہا چنانچہ دورِ صحابہ میں احادیث کے کئی مجموعے جو ذاتی نوعیت کے تھے تیار چکے تھے۔ نمونے کے طور چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

(۱)　الصحیفه الصادقة:

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے احادیث کا جو مجموعہ تیار کیا تھا اس کا نام ''الصحیفۃ الصادقۃ'' رکھا تھا۔ یہ دورِ صحابہ کے حدیثی مجموعوں میں سب سے زیادہ ضخیم صحیفہ تھا۔

(۲)　صحیفۂ علی رضی اللّٰه عنه:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحیفہ ان کی تلوار کی نیام میں رہتا تھا اور اس روایت کے متعدد الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دیّات اور معاقل، فدیہ اور قصاص، احکام اہل ذمہ، نصابِ زکوٰۃ اور مدینہ طیبہ کے حرم ہونے سے متعلق ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم درج تھے۔ (ابوداؤد، جلد ا صفحہ ۲۷۸)

(۳)　کتاب الصدقه:

یہ ان احادیث کا مجموعہ تھا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود املاء کروایا تھا۔ اس میں زکوٰۃ وصدقات اور عُشر وغیرہ کے احکام تھے اور سننِ ابی داؤد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عُمّال کو بھیجنے کے لیے لکھوائی تھی۔

(۴)　صحیفۂ عمرو بن حزم رضی اللّٰه عنه:

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو بخران کا عامل بنا کر بھیجا تو ایک صحیفہ ان کے حوالے کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر مشتمل تھا اور اسے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا۔ (ابوداؤد)

(۵)　صحفِ ابی هریره رضی اللّٰه عنه:

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی تمام مرویّات لکھی ہوئی موجود تھیں۔ ان سے پانچ ہزار تین سو چوہتر احادیث مروی ہیں۔ (مستدرکِ حاکم)

(۶)　صحیفۂ همام بن منبّه رحمة اللّٰه علیه:

حضرت ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد ہیں۔ امامِ مسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں بہت سی احادیث اس صحیفہ کے واسطے سے بھی لائے ہیں۔ اسی طرح مسند احمد بن حنبل میں اس صحیفے کی روایات بکثرت موجود ہیں۔ (مسند احمد، ج ۲ صفحہ ۳۱۲)

حسنِ اتفاق سے چند سال پہلے اس صحیفے کا اصل مخطوطہ دریافت ہوگیا ہے اس کا ایک نسخہ جرمنی میں برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے، دوسرا نسخہ دمشق کے کتب خانہ ''مجمع علمی'' میں سیرت اور تاریخ کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان دونوں سے اس کا مقابلہ کیا تو کہیں ایک حرف یا ایک نقطہ میں بھی فرق نہیں تھا۔

ان چند مثالوں سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ دورِ رسالت اور دورِ صحابہ میں کتابتِ حدیث کا طریقہ خوب اچھی طرح رائج ہو چکا تھا۔ یہ درست ہے کہ تدوین حدیث کی یہ ساری کوششیں ذاتی نوعیت کی اور غیر مرتب طریقے پر تھیں عام طور سے کتابی شکل میں احادیث جمع کرنے کا اہتمام نہیں تھا یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد اور تعلیم وتبلیغ کے لیے مختلف شہروں میں منتشر ہو گئے اور کچھ شہید بھی ہو گئے پھر جب تابعین کا دور آیا اور مختلف باطل فرقوں نے سر اٹھایا اور اغراضِ فاسدہ اور عقائد باطلہ کی اشاعت کے لیے حدیثیں گھڑنا شروع کیا تو اللہ رب العزت کی طرف سے امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دل میں جمعِ احادیث کا جذبہ پیدا ہوا اور اپنے زیرِ اثر تمام علاقوں میں تدوینِ حدیث کا حکم دیا۔

پھر حضرات محدثین نے اسماء الرجال کا فن ایجاد کیا، جرح وتعدیل کے قواعد مقرر کیے اور احادیث کی چھان بین کا وہ کارنامہ انجام دیا جس کی مثال نہیں مل سکتی احادیث وضع کرنے والوں کی فہرستیں تیار کی گئیں اور صحیح روایات کے راویوں کو مستقل علیحدہ جمع کیا اور ایک ایک راوی کا حال مفصل لکھا حتی کہ کہ یہود ونصاریٰ اور مستشرقین ایک بڑی تعداد میں اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اہلِ اسلام نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات وواقعات کو جس صداقت ودیانت اور تفصیل کے ساتھ جمع کیا ہے وہ ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی مثال دوسرے مذاہب میں نہ اسلام سے پہلے موجود تھی اور نہ اسلام کے بعد آج تک موجود ہے۔ ایک ایک حدیث کی سند کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا گیا۔ تاریخ کا علم جس پر منکرین حدیث کو ناز ہے اس میں واقعات بلاسند ذکر کیے جاتے ہیں اور نقل کرنے والوں میں سچے، جھوٹے، فساق وفجار بلکہ ایمان سے محروم ہر طرح کے بے شمار لوگ ہوتے ہیں۔ انتہائی حیرت اور کتنا تعجب ہے کہ عقل وخرد کے دشمن منکرین حدیث تاریخ کو معتبر سمجھتے ہیں اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر معتبر۔ فیا اسفیٰ

اللہ رب العزت سے ہی دعا ہے کہ ہدایت سے نوازے اور اپنی عظمت اور محبت نصیب فرمائے۔ (آمین)

(پہلی قسط)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت ایک خلیفۂ راشد

مولانا ابوریحان سیالکوٹی

کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد تو درکنار نرے خلیفہ بھی نہ تھے بلکہ مَلِک یعنی بادشاہ تھے۔ اسی طرح ان کی حکومت بھی خلافت راشدہ تو رہی ایک طرف نری خلافت بھی نہ تھی بلکہ ملوکیت یعنی بادشاہت تھی۔ چنانچہ مؤرخِ اسلام شاہ معین الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ خلیفہ راشد تھے اور نہ ان کی حکومت، خلافت راشدہ یعنی اسلامی حکومت کا صحیح نمونہ تھی بلکہ وہ ایک دنیاوی حکمران تھے اور ان کی حکومت دنیاوی بادشاہت تھی''۔ (تاریخ اسلام، ص۳۴، ج۲)

حالانکہ خلیفہ وخلافت کے جس قانون قاعدے اور اصول ضابطے سے ان سے پہلے حضرات خلفاء، خلفاء راشدین اور ان کی حکومتیں راشدہ خلافتیں بنی تھیں بعینہٖ اسی قانون قاعدے اور اصول ضابطے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی خلیفۂ راشد اور ان کی حکومت، خلافت راشدہ ثابت ہوتی ہے۔ جس کا مختصر بیان حسب ذیل ہے۔

اہل سنت علماءِ عقائد وکلام بالخصوص امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے خلیفۂ راشد کی استحقاقی شرائط اور اس کے منصبی فرائض بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ اور جو حکمران وحکومت ان پر پورے اترے ہوں ان کو انھوں نے خلیفۂ راشد اور خلافتِ راشدہ ہی کہا اور مانا ہے۔ تو ملاحظہ ہو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلیفۂ راشد ہونا، پہلے تو انہی حوالوں سے اور پھر کچھ اور حوالوں سے بھی۔

بحوالۂ شرائطِ خلیفۂ راشد:

امام ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے کسی شخص کے مستحقِ خلافت ہونے کی درج ذیل شرطیں لکھیں ہیں۔

(۱) مسلمان ہو، کافر نہ ہو

(۲) عاقل ہو، مجنون وبے وقوف نہ ہو

(۳) بالغ ہو، نابالغ نہ ہو

(۴) مرد ہو، عورت نہ ہو

(۵) حر یعنی آزاد ہو، غلام نہ ہو

(۶) متکلم، سمیع اور بصیر ہو، گونگا، بہرا اور اندھا نہ ہو۔

(۷) شجاع یعنی بہادر وہوشیار ہو اور صاحب رائے ہو، (بزدل) آرام طلب اور ناتجربہ کار نہ ہو۔

(۸)　عادل اور صاحبِ مروت ہو، یعنی کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہو، صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنے والا، نیز وارستہ مزاج یعنی آزاد طبع اور بے پراوہ نہ ہو۔

(۹)　مجتہد ہو، (اور بقول شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ، صحابہ کرام علیہم الرضوان کے زمانہ میں مجتہد ہونے کے لیے صرف علمِ قرآن اور حفظِ حدیث کافی تھا۔) (ازالۃ الخفا مترجم، صفحہ ۲۲، جلد ۱)

(۱۰)　پدری نسب سے قریشی ہو۔ (دیکھو ازالۃ الخفاء، مترجم از صفحہ ۱۸ تا ۲۲، جلد ۱ وصفحہ ۳۳۰، جلد ۲)

جس شخص میں یہ شرطیں پائیں جائیں وہ خلافت کا مستحق ہوتا ہے اور جب ایسے کسی شخص کو اربابِ حل وعقد خلیفہ بنائیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں تو وہ خلیفۂ راشد ہوتا اور کہلاتا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ ہی استحقاقِ خلافت کی مذکورہ شرطوں کی تفصیل دے کر تصریح فرماتے ہیں کہ:

''الحاصل جب یہ شرطیں کسی شخص میں پائی جائیں تو وہ مستحقِ خلافت سمجھا جائے گا اور اگر اس کو (اہل حل وعقد) خلیفہ بنائیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں تو وہ خلیفۂ راشد ہوگا۔'' (ازالۃ الخفاء، مترجم صفحہ ۲۳ جلد ۱)

حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے خلیفۂ راشد ہونے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں استحقاقِ خلافت کی مذکورہ تمام شرطیں پائی جائیں اور دوسری یہ کہ اہلِ حل وعقد اس کو خلیفہ بنائیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔

کسی شخص کے خلیفۂ راشد ہونے نہ ہونے کا پہلے بھی یہی معیار اور یہی قاعدہ تھا اور اب بھی یہی ہے اور آئندہ بھی یہی رہے گا۔ اس کے علاوہ کوئی اور خاص قاعدہ وقانون کسی کے خلیفۂ راشد ہونے نہ ہونے کے لیے سُنّی مسلک میں نہ پہلے کبھی ضروری قرار دیا گیا ہے اور نہ آئندہ ہی اس کو ضروری قرار دیا جاسکتا ہے۔ آج تک جو کوئی خلیفۂ راشد ہوا ہے یا آئندہ ہو گا اسی قاعدے قانون کے تحت ہی ہوا ہے اور ہوگا۔ حتیٰ کہ پہلے چاروں خلفاء راشدین مہدیین (رضی اللہ عنہم اجمعین) بھی اپنے اپنے دور میں جو خلیفہ ہوئے تھے تو اسی قاعدے قانون کے تحت ہی ہوئے تھے یعنی ان میں خلافتِ راشدہ کے استحقاق کی تمام شرطیں بھی پائی گئیں تھیں اور اہلِ حل وعقد نے ان کو خلیفہ بھی بنایا اور ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی۔ یہی دونوں چیزیں خارج میں ان حضراتِ اربعہؓ کے خلفاءِ راشدین ہونے کے لیے کافی سمجھی گئی تھیں ان کے علاوہ کوئی اور خاص چیز یا کوئی شرط ان کے لیے بھی ضروری قرار نہ دی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جن مہاجرین اولین کے بارے میں آیت استخلاف اور آیت تمکین نازل ہوئی تھیں۔ ان میں سے حضراتِ خلفاء اربعہؓ کے علاوہ اور کوئی بھی خلیفہ نہ ہوا اور نہ مانا گیا، کیونکہ ان چار حضرات کے علاوہ اوروں میں یہ دونوں چیزیں اکٹھی نہ پائی گئی تھیں۔ خلافت کے مستحق تو بنصِ قرآنی وہ سب حضرات بھی بے شک تھے مگر اہلِ حل وعقد نے ان چار کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ نہ بنایا تھا اور کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ..... جن کو ساری دنیاءِ سنیت بالاتفاق خلیفۂ راشد جانتی اور مانتی ہے..... وہ بھی انھیں دو باتوں کی بنیاد پر ہی خلیفۂ راشد ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ اس امت کے آخری خلیفہ..... حضرت مہدی رحمہ اللہ کی خلافت کا تحقق بھی انہیں دو چیزوں کے پائے جانے پر ہی ہوگا۔ (ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء مترجم، صفحہ ۲۶ تا ۲۸، جلد ۱)

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفۂ راشد ہونے نہ ہونے کا دارومدار بھی انہیں دو چیزوں پر ہوگا۔ان کے علاوہ کسی اور خاص چیز یا کسی خاص شرط کی ضرورت ہرگز ہرگز نہ ہوگی۔ان سے پہلے خلفاء راشدین کی طرح اگر ان میں بھی یہ دنوں چیزیں پائی گئی ہوں تو پھر بعد کی ساری دنیا کے انکار کے باوجود بھی یقیناً وہ خلیفۂ راشد ہوں گے۔اور اگر یہ دونوں چیزیں ان میں نہ پائی گئی ہوں تو پھر ساری دنیا کے ان کو ہزاروں مرتبہ خلیفۂ راشد کہنے اور ماننے کے باوجود بھی وہ ہرگز ہرگز خلیفۂ راشد نہ ہوں گے۔

اس اعتبار سے جب دیکھا جاتا ہے تو اس میں ایک ذرہ بھر بھی کوئی شک نہیں رہتا کہ ان میں یہ دنوں چیزیں علی وجہ الاتم پائی گئی تھیں۔چنانچہ کوئی سُنّی مسلمان اس سے انکار نہیں کرتا اور نہ بقائمی حوش وحواس کر ہی سکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں استحقاقِ خلافت کی تمام شرطیں موجود تھیں، وہ مسلمان بھی تھے اور عاقل و بالغ بھی، مرد بھی تھے اور حر بھی، متکلم وسمیع بھی تھے اور بصیر بھی، شجاع بھی تھے اور عادل بھی، مجتہد بھی تھے اور قریشی بھی، اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ استحقاقِ خلافت کے بعد اس دور کے تمام اہلِ حل وعقد نے ..... جو صحابہ علیہم الرضوان تھے یا کبار تابعینؒ .....ان کو بالاتفاق خلیفہ بنایا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

جب ان میں وہ دونوں چیزیں پائی گئیں جن کے پائے جانے سے کوئی شخص، خلیفۂ راشد ہوا کرتا ہے تو وہ بھی یقیناً اور یقیناً، خلیفۂ راشد ہی ہوئے۔اگر چہ کسی کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گذرے۔

بحوالۂ فرائضِ خلیفۂ راشد:

اور اب آیئے، خلیفۂ راشد کے فرائضِ منصبی کی طرف

حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے خلیفۂ راشد کے وہ فرائض بھی ایک مستقل عنوان کے تحت بیان فرمائے ہیں چنانچہ عنوان قائم کیا ہے۔:

''مسئلہ (پنجم) ان امور کا بیان جو خلیفہ پر واجب ہیں از قسم اجراء مصالح اہلِ اسلام۔'' پھر وہ امور بالتفصیل بیان فرماتے ہیں جو ایک نظر میں حسب ذیل ہیں۔

(۱) دینِ محمدی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کو اسی طرح محفوظ رکھنا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مستفیضہ سے ثابت ہو اور سلفِ صالحین کا اجماع اس پر منعقد ہو چکا ہو۔

(۲) ارکان اسلام یعنی جمعہ، جماعت، زکوٰۃ، حج اور صوم کا قائم کرنا، اپنے مقام پر بذاتِ خود اور مقاماتِ بعیدہ میں اپنے نائبین کے ذریعہ۔

(۳) جس قدر ہو سکے بذاتِ خود علومِ دینیہ کو زندہ رکھنا اور ہر شہر میں مدرّسین ومعلّمین مقرر کرنا۔

(۴) عہدۂ قضاء کے فرائض انجام دینا اور قاضیوں، مفتیوں کو مقرر کرنا۔

(۵) بلادِ اسلامیہ کو، کافروں، رہزنوں، اور غاصبوں سے محفوظ رکھنا اور دارالاسلام کی سرحدوں کو فوجوں اور آلاتِ جنگ سے معمور رکھنا، دشمنانِ خدا سے جہاد کرنا اور لشکروں کی ترتیب، مجاہدوں کے وظائف، مالِ غنیمت کی تقسیم، قاضیوں، مفتیوں، معلموں، واعظوں، اور مساجد کے اماموں کے مشاہرے نیز جزیہ وخراج کی وصولی جیسے اس کے تمام متعلقات کو بحسن وخوبی انجام دینا۔

(۶) کاروبار میں سچے، امانت داروں اور خیر خواہوں کو نائب بنانا۔

(۷) رعایا، امراء شہر، حکام، اور افواج کے حالات کی خبر گیری رکھنا تاکہ ظلم اور خیانت نہ ہونے پائے۔

(۸)　امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔
(۹)　حدود اللہ کو جاری کرنا۔
(۱۰)　مسلمانوں کے کام، کافروں کے سپرد کسی صورت نہ کرنا۔ (دیکھو ازالۃ الخفاء مترجم از صفحہ ۲۸ تا ۳۰، نیز صفحہ ۱۳ جلد ۱، نیز صفحہ ۳۳۰ جلد ۲)

جو حکمران خلیفۂ راشد کے یہ تمام منصبی فرائض ادا کرے وہ خلیفہ راشد ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ ہی ناقل ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضراتِ طلحہ، زبیر، کعب اور سلمان رضی اللہ عنہم اجمعین سے خلیفہ اور مَلِک (یعنی بادشاہ) میں فرق سے متعلق سوال کیا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:

''خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرے اور ان کے درمیان برابر تقسیم کرے اور لوگوں پر ایسی شفقت کرے جیسے کوئی اپنے گھر والوں پر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرے۔'' (ازالۃ الخفاء مترجم، صفحہ ۲۲۲ جلد ۲)

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ واللہ! میں نہیں جانتا کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ۔ ایک کہنے والے نے کہا: اے امیر المؤمنین! ان دونوں میں فرق ہے۔ فرمایا! کیا ہے؟ اس نے کہا: خلیفہ نہیں لیتا بجز حق کے اور خرچ بھی صرف حق کے موقع میں کرتا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ آپ ایسے ہی ہیں، اور بادشاہ، لوگوں پر ظلم کرتا ہے، اس سے لیتا ہے اور اس کو دیتا ہے۔ تو (حضرت) عمر رضی اللہ عنہ چپ ہو گئے۔'' (ایضاً صفحہ ۲۲۳ جلد ۲)

یہاں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور ایک کہنے والے نے خلیفۂ راشد کے فرائض میں سے بطور مثال چند فرائض کا ذکر کیا ہے، مراد تمام ہی فرائض ہیں۔

واضح رہے کہ خلیفۂ راشد کے یہ منصبی فرائض بعینہٖ خلافتِ راشدہ کے مقاصد یا کہہ لیجیے کہ اسلامی حکومت کی دستوری دفعات بھی ہیں۔ لہٰذا ان کو بجا لانے والا حکمران جب خلیفۂ راشد کہلاتا ہے ایسے ہی جس حکومت میں یہ انجام پائیں وہ خلافتِ راشدہ کہلاتی ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ ہی رقم طراز ہیں:

''جب ہم خلافت کو وصفِ راشدہ کے ساتھ مقید کریں گے (یعنی خلافتِ راشدہ کہیں گے) تو اس کے معنی ہوں گے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ان کاموں میں جو بر بناءِ وصفِ پیغمبری، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم انجام دیتے تھے یعنی اقامتِ دین اور دشمنانِ خدا کے ساتھ جہاد اور حدود اللہ کا جاری کرنا اور علومِ دینیہ کا احیاء اور ارکانِ اسلام (یعنی نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ) کا قائم کرنا اور قضاء وافتاء کا قائم کرنا اور جو امور اس ذیل میں آتے ہیں ان کی انجام دہی ایسے احسن طور پر کہ گناہ سے محفوظ رہتے ہوئے اس کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں۔'' (ازالۃ الخفاء مترجم صفحہ ۳۳۰ جلد ۲)

دیکھ لیجیے یہ تمام کام وہی ہیں جو اوپر، خلیفۂ راشد کے فرائض کے طور پر بیان ہوئے ہیں۔ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی خلافت کا معنی یوں نقل کیا ہے۔

''اور معاویہ سے مروی ہے کہ وہ منبر پر بیٹھ کر کہا کرتے تھے، اے لوگو! خلافت مال جمع کرنے اور خرچ کرنے کا نام نہیں ہے لیکن خلافت ہے حق پر عمل کرنا اور انصاف کے ساتھ حکم کرنا اور اللہ کے حکم کے مطابق لوگوں سے لینا۔''
(ازالۃ الخفاء مترجم صفحہ ۲۲۳ جلد ۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی حکومت اس معیار پر بھی پورے اترتے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے خلیفۂ راشد

کے یہ تمام منصبی فرائض اپنی چھیاسٹھ لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی وسیع وعریض مملکت میں بکمال وتمام انجام دیے تھے۔اس کی مکمل تفصیل کے لیے تو ایک دفتر چاہیے۔ میں نے اسی موضوع پر اپنے مفصل مضمون میں بالترتیب ہر ہر فرض کی انجام دہی کی بطورِ نمونہ، چند مثالیں ذکر کی ہیں لیکن یہ مختصر مضمون ان مثالوں کا بھی متحمل نہیں ہے۔اس لیے یہاں ان کی حکومت سے متعلق اہلِ نظر کے بعض مجموعی اظہار واعتراف نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ ان کے دورِ حکومت پر مجموعی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الجهاد فی بلاد العدوّ قائم و کلمة اللّٰه عالیة و الغنائم ترد الیه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحة وعدل وصفح وعفو '' (البدایة صفحه ۱۱۹ جلد۸)

یعنی ۴۱ ہجری سے لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک ان کے سوا انیس سالہ پورے دورِ خلافت میں دشمن کے ملکوں میں جہاد کا سلسلہ برابر قائم رہا۔ اللہ کے دین کا (چہار دانگ عالم میں) ڈنکا بجتا رہا۔

غنیمتیں زمین کے گوشوں سے آپ کے آتی رہیں۔اور آپ کی ہمراہی یعنی آپ کے دورِ حکومت میں عدل وانصاف اور عفو ودرگذر کے سایہ میں امن وراحت کی زندگی بسر کرتے رہے۔

پھر ان غنیمتوں اور بیت المال کی دیگر آمدنیوں سے تمام ملکی مصارف پورے کیے جاتے تھے۔مملکت اسلامیہ کی معاشی وصنعتی ہر طرح کی ترقی انہیں آمدنیوں سے وابستہ تھی۔فوجی اخراجات، والیوں اور گورنروں کے مشاہرات، قاضیوں، مفتیوں، معلموں، اور مؤذنوں کی تنخواہیں بھی اسی قومی خزانہ عامرہ سے ادا کی جاتی تھیں۔صرف ایک دمشق کے بیت المال کی جو تفصیل مؤرخین نے دی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بالا تمام اخراجات کے بعد بھی بیت المال میں چار چار لاکھ دینار بچ جایا کرتے تھے۔حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ یہ تفصیل دے کر لکھتے ہیں:

''وهذا یدل علی کثرة دخلها وعظیم البرکة فی مستغلها ''

(یہ صورتِ حال، آمدنی کی کثرت اور غلے میں بہت زیادہ برکت پر دلالت کرتی ہے۔) (بحوالۂ سیرۃ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ از مولانا نافع، صفحہ ۴۰۰ جلد ۱)

یہی حال عراق اور مصر وغیرہ کے اسلامی بیت المالوں کا بھی تھا۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے یہی شان وشوکت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ گورنری کی بھی بیان کی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

''ولم تزل الفتوحات والجهاد قائما علی ساقه فی ایامه فی بلاد الروم والفرنج وغیرها''

(ان کے پورے دورِ گورنری میں، رومیوں، فرنگیوں اور ان کے علاوہ دیگر کافر ملکوں میں برابر فتوحات ہوتی رہیں اور جہاد اپنی پوری آن بان کے ساتھ قائم رہا۔) (البدایۃ والنہایۃ، صفحہ ۱۱۸ جلد ۸)

ہمارے دور کے بہت بڑے محقق عالم حضرت مولانا محمد نافع صاحب۔ متعنا اللہ بطول حیاتہ المبارکہ

حافظ ابنِ عساکر رحمہ اللہ سے ناقل ہیں کہ:

''ففتح اللّٰه به الفتوح ویغزو الروم ویقسم الفئی والغنیمة ویقیم حدود اللّٰه، واللّٰه لایضیع اجر

من احسن عملا'' (اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ بہت سی فتوحات عطا فرمائیں، وہ ملکِ روم (جیسی عظیم مملکت) میں جہاد کرتے، مال فئی وغنیمت، تقسیم کرتے اور حدود اللہ قائم (جاری) کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اچھا عمل کرنے والے کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'') (سیرۃ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، صفحہ ۴۰۴ جلد ۱)

یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے منصبی فرائض نہ صرف ادا کیے بلکہ ایسے عمدہ اور اچھے طریقے سے ادا کیے کہ اس پر اس اللہ تعالیٰ سے، جو کسی کے بھی اچھے عمل کا اجر ضائع نہیں کرتا، اجر وثواب کی بجا طور پر امید کی جا سکتی ہے۔

علماءِ سلف کے ان تبصروں سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ راشد کے زیرِ بحث تمام منصبی فرائض پوری طرح ادا کیے تھے اور بتایا جا چکا ہے کہ جو مسلمان حکمران یہ تمام فرائض بجا لائے وہ خلیفۂ راشد ہوا کرتا اور جس حکومت میں یہ فرائض انجام پائیں وہ خلافتِ راشدہ ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا حضرت معاویہ بھی خلیفۂ راشد ہوئے اور ان حکومت بھی خلافتِ راشدہ ہوئی۔ اور اب ملاحظہ ہو کچھ اور حوالوں سے بھی۔

بحوالۂ ضابطۂ تقررِ خلیفہ:

امام ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تقررِ خلیفہ سے متعلق یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ:

''مسلمانوں پر ایسے خلیفہ کا مقرر کرنا جو جامع شرائط خلافت ہو، فرضِ کفایہ ہے (اور) قیامت تک (فرض رہے گا۔'') (ازالۃ الخفاء مترجم صفحہ ۱۷ جلد ۱)

آگے لکھا ہے کہ:

''اگر کسی ایسے شخص کو لوگ، خلیفہ بنائیں، جس میں یہ شرائط نہ پائی جاتی ہوں تو اس کی خلافت کے بانی گناہگار ہوں گے۔'' (ایضاً صفحہ ۲۳، جلد ۱)

اور اب دیکھئے اس ضابطہ کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو۔

اتنی بات تو یقینی اور ایک ناقابلِ انکار تاریخی حقیقت ہے کہ دورِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے تمام اربابِ حل وعقد صحابہ رضی اللہ عنہ وتابعین رحمہم اللہ نے بالاتفاق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا اور اس وقت کے عوام وخواص تمام مسلمانوں نے ان کو اپنا خلیفہ مانا تھا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اسی لیے تاریخ میں اس سال کو ''عام الجماعۃ'' یعنی مسلمانوں کی اجتماعیت کا سال، کہا جاتا ہے۔

اب اس استخلاف یعنی خلیفہ بنانے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، خلافت کے مستحق یعنی اس کی تمام شرطوں کے جامع ہوں اور ان کو خلیفہ بنانے والے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ نے خلافت کے مستحق، شخص کو ہی خلیفہ بنایا اور مقرر کیا ہو.....اور دوسری یہ کہ وہ خلافت کے مستحق اور اس کی تمام شرطوں کے جامع نہ ہوں اور ان کو خلیفہ بنانے والوں نے ایک غیر مستحقِ خلافت اور غیر جامعِ شرائط شخص کو خلیفہ بنا ڈالا ہو۔

اگر دوسری صورت فرض کی جائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے والے تمام اربابِ حل وعقد، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ اور تمام مسلمانوں عوام وخواص مسلمانوں مذکورہ ضابطہ کی شق ۲ کے تحت گناہ گار ہونا لازم

آتا ہے۔اوران تمام صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا یوں اجتماعی طور پر گناہ گار رہونا، باطل ہے۔

ایک تو اس لیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ، صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا زمانہ ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون یعنی اس امت کا بہترین زمانہ فرمایا ہے۔ **خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم الخ** .....اگر اس سارے ہی قرن کو گناہ گار مانا جائے تو وہ خیر القرون نہیں رہتا بلکہ شر القرون ٹھہرتا ہے جس میں العیاذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہے۔

اور دوم اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کی یہ فضیلت بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو گناہ اور معصیت پر جمع نہ کرے گا..... **ان اللہ لا یجمع امتی علی الضلالہ** .....تو جو امت، اللہ کے فضل وکرم اور ببرکتِ نبی مکرم، گناہ پر جمع ہونے سے محفوظ ہو، یہ نہیں ہوسکتا کہ صحابہ وتابعین پر مشتمل اس کا ہراول دستہ ہی پورا گناہ پر جمع ہوجائے۔

سوم اس لیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے نتیجہ میں منعقد ہوئی تھی اور یہ صلح، اللہ ورسول کی پسندیدہ ہے، چنانچہ ارشادِ خداوندی..... **فمن عفا واصلح الخ** .....میں بتصریح شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسی صلح کی طرف اشارہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی تو اس صلح کے بارے میں مشہور ہی ہے، جس کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل میں دیکھا جاسکتا ہے تو جو خلافت، اللہ ورسول کی پسندیدہ صلح کے نتیجہ میں منعقد ہوئی ہو، ہرگز ہرگز باور نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے بانی صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ بالخصوص حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس میں گناہ گار ٹھہرے ہوں۔

چہارم اس لیے کہ اگر یہ سارا ہی طبقہ یوں یک لخت گناہ گار قرار پاجائے تو پھر بعد والی ساری امت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی وایمانی رشتہ ہی منقطع ہوکر رہ جاتا ہے کیونکہ بعد والوں کو دین وایمان ان صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے واسطہ سے ہی پہنچا ہے۔

جب ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ اور ان تمام مسلمانوں کا یوں بیک جنبش گناہ گار رہونا باطل ہوا تو ان کا ایک غیر مستحق خلافت اور غیر جامع شرائطِ خلافت شخص کو خلیفہ بنانا باطل ہوا۔لہٰذا پہلی صورت ہی متعین ٹھہری کہ ان حضرات نے خلافت کے مستحق اور اس کی شرائط کے جامع شخص کو ہی خلیفہ بنایا تھا۔اور یہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ جب لوگ، کسی مستحقِ خلافت شخص کو خلیفہ بنائیں وہ خلیفہ راشد ہی ہوا کرتا ہے۔مَلِک وبادشاہ نہیں ہوا کرتا۔لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس ضابطہ کے حوالہ سے بھی خلیفۂ راشد ہی ثابت ہوئے نہ کہ مَلِک وبادشاہ۔

(جاری ہے)

ناموسِ رسالت کا عظیم شہید
سیدنا حبیب بن زید رضی اللہ عنہ

ارشاد الرحمٰن

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ اور آپ کے والد زید بن عاصم رضی اللہ عنہ اس ستر بابرکت آدمیوں میں شامل تھے۔ جنہیں بیعت عقبہ ثانیہ کا شرف واعزاز حاصل ہے۔ آپ کی والدہ حضرت نسیبہ بنت کعبؓ ان دو عورتوں میں سے ایک تھیں، یعنی آپ نسلی مسلمان تھے اور ایمان آپؓ کے رگ و پے میں اترا ہوا تھا۔ آپ نے ہجرتِ مدینہ کے بعد جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح زندگی گزاری کہ کسی غزوہ میں شرکت اور کسی فرض کی ادائیگی سے کبھی پیچھے نہ رہے۔

اس دور میں ایک روز ایسا بھی آیا کہ آپؓ نے جنوبی جزیرہ عرب میں دو سر پھرے جھوٹوں کو دیکھا جو نبوت کا دعویٰ کرتے تھے اور لوگوں کو گمراہی کی طرف لیے جا رہے تھے۔ ان میں ایک صنعاء میں نمودار ہوا جس کا نام اسود بن کعب عنسی تھا اور دوسرا یمامہ میں منظر پر آیا اس کا نام مسیلمہ کذاب تھا۔ ان دونوں کذابوں نے اپنے اپنے قبیلوں میں لوگوں کو ان مؤمنین کے خلاف اکسانا اور بھڑکانا شروع کر دیا، جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا تھا اور لوگوں کو ورغلانا شروع کر دیا کہ وہ ان علاقوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور خود نبوت کے دعویدار بن بیٹھے اور زمین کو فساد و گمراہی سے بھرنے لگے۔

اچانک ایک روز مسیلمہ کی طرف سے بھیجا ہوا ایک نمائندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جو مسیلمہ کا ایک خط لایا تھا جس میں مسیلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا تھا:

> ''مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف! تم پر سلامتی ہو، امابعد! سن لیں کہ میں اس معاملے میں تمہارا شراکت دار ہوں۔ آدھی زمین ہماری ہوگی اور آدھی قریش کی، مگر قریش ایک ایسی قوم ہے جو ظلم کرتی ہے!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کے خط کا جواب ان الفاظ میں املا کرایا:

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
>
> محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف! سلام اسی شخص کے لیے ہے جو ہدایت کی پیروی اختیار کرلے۔ امابعد!
>
> سن لو کہ! زمین تو اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ لیکن اچھا انجام ڈر جانے والوں کا ہی ہوگا!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ سپیدہ سحر کی مانند نمودار ہوئے اور بنو حنیفہ کے کذاب کو رسوا کر کے چھوڑ گئے۔ جس نے نبوت کو بادشاہت سمجھ لیا تھا اور نصف زمین اور نصف رعایا کا مطالبہ کرنے لگا تھا۔

مسیلمہ کے ہرکارے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب مسیلمہ تک پہنچایا تو وہ مزید گمراہی میں پڑ گیا اور لوگوں کو مزید گمراہ کرنے لگا۔ یہ کذاب اپنا افک و بہتان پھیلانے لگا اور مومنوں کو دی جانے والی سزاؤں کو اُس نے بڑھا دیا۔ لوگوں کو اُن کے خلاف کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت حال میں اس کی طرف ایک خط بھیجنے کا فیصلہ کیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اس کی حماقتوں سے منع کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ انتخاب حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ پر پڑی کہ آپؓ یہ مکتوب مسیلمہ تک پہنچائیں۔ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے تیز قدمی سے سفر شروع کر دیا تا کہ اس مہم کو بخوشی سر کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نیت سے ان کو سونپی تھی کہ مسیلمہ کا دل حق کی طرف رہنمائی پالے۔

جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ نے مطلوبہ مقام پر پہنچ کر خط مسیلمہ کے حوالے کر دیا۔ مسیلمہ کذاب نے خط کھولا تو خط نور وضیاء نے اس کی آنکھیں اندھی کر دیں اور غرور وضلالت میں اور بڑھ گیا۔ ادھر دین عظیم یعنی اسلام کے معیارات اور پیمانوں نے چاہا کہ عظمت وبطولت کے وہ دروس جو اس نے مکمل طور پر انسانیت کے سامنے پیش کر دیے ہیں ان کے اندر ایک نیا درس شامل کر دے جس کا موضوع اور استاد اس بار جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ ہوں!

مسیلمہ ایک شعبدہ باز سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ وہ جگہ جگہ شعبدہ بازی کرنے والوں کی تمام تر عادات وخصائل اپنے اندر رکھتا تھا۔ اس طرح اس کے اندر کوئی مروت تھی نہ عرب نسلیت اور نہ کوئی آدمیت جو اس کو اس پیغام رساں کے قتل سے باز رکھتی۔ جس کا عرب بڑا احترام کرتے اور مقدس جانتے تھے۔

مسیلمہ کذاب نے اپنی قوم کو ایک روز اکٹھے ہونے کا کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رساں جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو لایا گیا جن کے اوپر اس تشدد سے تعذیب کے آثار دکھائی دے رہے تھے جو مجرموں نے ان کے اوپر توڑے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ جناب حبیب رضی اللہ عنہ کی روح شجاعت کو سلب کر لیں گے اور آپؓ لوگوں کے سامنے آئیں گے تو مطیع ہو چکے ہوں گے اور جب مسیلمہ پر ایمان لانے کے لیے کہا جائے گا تو فوراً ایمان لے آئیں گے۔ کذاب اور مکار اس طریقے سے ذہن میں تیار کیا ہوا معجزہ اپنے فریب خوردہ پیروکاروں کے سامنے دکھانا چاہتا تھا۔ مسیلمہ نے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم یہ شہادت دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں! میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں!

جناب حبیب رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ کلمات نکلے تو رسوائی اور ناکامی کی زردی نے مسیلمہ کا چہرہ زرد کر دیا اور اس نے پھر سوال کیا تم یہ شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے مضحکہ خیز انداز میں جواب دیا: ''میں تو کچھ سن ہی نہیں رہا!''

اس جملے کے بعد کذاب کے چہرے کی زردی جل کر راکھ ہو جانے والے کوئلے کی سیاہی میں بدل گئی۔ اس کی منصوبہ بندی ناکام ہوگئی اور اس کے تشدد نے بھی کوئی کام نہ دکھایا۔ اسے ان لوگوں کے سامنے جن کو وہ اپنا معجزہ دکھانا چاہتا تھا ایسا زوردار طمانچہ پڑا کہ اس کی جعلی ہیبت ہوا ہوگئی۔ وہ ذبح شدہ سانڈ کی طرح پھنکارا اور اپنے اس جلاد کو آواز دی جو اپنی تلوار کے دانتوں سے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کے جسم کی بوٹی بوٹی کر ڈالنے والا تھا۔

اس نے جلاد سے کہا تلوار مار کر اس کے بدن کا ایک ٹکڑا اڑا دو۔ جلاد نے تلوار ماری اور جناب حبیب رضی اللہ عنہ کے بدن سے بوٹی اڑا کر رکھ دی۔

مسیلمہ نے پھر مخاطب ہو کر جناب حبیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ حضرت حبیب نے جواب دیا: ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ مسیلمہ نے کہا: اور یہ بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ بولے: میں نے تم سے کہا ہے کہ میرے کان وہ بات سننے سے قاصر ہیں جو تم کہتے ہو۔ مسیلمہ نے جواب سنا تو جلاد کو حکم دیا کہ اس کے جسم کی ایک اور بوٹی اڑا دو۔ جلاد نے فوراً تلوار ماری اور جناب حبیب رضی اللہ عنہ کی ایک اور بوٹی اڑا کر رکھ دی۔ لوگ آپ پر نظریں گاڑے حیرت وتعجب سے دیکھے جا رہے تھے کہ کس قدر عزیمت واستقامت ہے۔

مسیلمہ مسلسل اسی طرح سوال کرتا رہا اور جلاد آپؓ کے بدن کی بوٹیاں اڑاتا رہا اور آپؓ بھی مسلسل یہی جواب دیتے رہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس مسلسل عمل سے آپؓ کے بدن کا آدھا حصہ کٹ کر ٹکڑوں کی صورت میں زمین پر بکھرا ہوا تھا اور آدھا دھڑ باقی رہ گیا تھا۔ بالآخر آپؓ کی پاکیزہ وعظیم روح پرواز کر گئی مگر زبان پر اسم محمد جاری تھا۔

اگر حضرت حبیب رضی اللہ عنہ جان بچانے کی خاطر دل سے ایمان پر قائم رہتے ہوئے مسیلمہ کذاب کی ہم نوائی کر لیتے تو ان کے ایمان میں کوئی نقص واقع نہ ہوتا اور نہ ان کے اسلام کو کوئی نقصان پہنچتا۔ مگر یہ شخص جو اپنے والد، والدہ، بھائی اور خالہ کے ہمراہ بیعت عقبہ میں حاضر ہوا تھا اور جس نے ان مبارک اور فیصلہ کن لمحات سے ہی اپنی بیعت اور بے نقص ایمان کامل کی ذمہ داری اٹھا رکھی تھی اس کے نزدیک یہ جائز نہیں تھا کہ وہ اپنی زندگی اور آغاز اسلام کے درمیان ایک لمحے کا بھی موازنہ کرتا اور زندگی کو اہم سمجھ کر اس کو بچانے کی راہ اختیار کرتا۔

لہٰذا ان کے پیش نظر یہ بات نہیں تھی کہ وہ اس واحد موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زندگی کو بچا لیتے جس موقع پر ان کے ایمان کی تمام داستان، ثبات وعظمت، قربانی وبطولت اور راہ حق وہدایت میں جان قربان کر کے مرتبہ شہادت پا لینے کے ایسے نمونے میں ڈھل گئی کہ قریب تھا کہ وہ اپنی حلاوت ودلکشی میں ہر کامیابی اور فتح ونصرت سے آگے نکل جاتی۔

ادھر اللہ کے رسول صلی الہ علیہ وسلم کو اپنے معزز پیغام رساں کی شہادت کا علم ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے فیصلے پر صبر کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نور بصیرت کی روشنی میں مسیلمہ کذاب کا انجام دیکھ رہے تھے اور ممکن تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قتل کو اپنے سر کی آنکھوں سے مشاہدہ فرماتے۔

ادھر حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کی والدہ جناب نسیبہ بنت کعبؓ نے لمبے عرصے تک اپنے دانتوں کو بھینچے رکھا پھر یہ قسم کھاتے ہوئے دانتوں کو کھولا کہ وہ خود مسیلمہ سے اپنے بیٹے کا انتقام لیں گی۔ اور اس ناپاک کے جسم میں اپنا نیزہ اور تلوار گھسا کر رہیں گی۔ قدرت جو اس وقت ان کے صدمے، صبر اور تکلیف کو دیکھ رہی تھی، نہ معلوم اسے ان کی یہ ادا کس قدر پسند آئی کہ اس نے اس وقت یہ فیصلہ کرلیا کہ وہ اس خاتون کے ساتھ رہے گی یہاں تک کہ وہ اپنی قسم پوری کرلے۔

کچھ وقت گزرا کہ وہ موقع آ گیا جس کے نقوش دائمی ہیں یعنی جنگ یمامہ کا موقع! خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمامہ کی طرف جانے والے لشکر اسلام کو تیار کیا۔ جہاں مسیلمہ نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر رکھا تھا۔ حضرت نسیبہ رضی اللہ عنہا بھی لشکر اسلام کے ساتھ نکل پڑیں اور میدان جنگ کے اندر معرکہ کارزار میں اس طرح گھس گئیں کہ آپؓ کے دائیں ہاتھ میں تلوار اور بائیں ہاتھ میں نیزہ تھا اور زبان یہ للکار لگا رہی تھی کہ ''اللہ کا دشمن مسیلمہ کہاں ہے؟''

جب مسیلمہ قتل ہو گیا اور اس کے پیروکار دھنکی ہوئی روئی کی مانند گرنے لگے اور اسلام کے جھنڈے کامیاب و کامران ہو کر بلند ہو گئے تو حضرت نسیبہؓ کھڑی ہو گئیں اور آپؓ کی حالت یہ تھی کہ آپ کا تنومند و طاقتور جسم زخموں سے چھلنی تھا۔ آپؓ اس طرح کھڑی تھیں گویا اپنے شہید بیٹے حضرت حبیبؓ کے روئے مبارک کو صاف طور پر دیکھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ آپؓ نے اپنے لخت جگر کو یوں محسوس کیا کہ اس نے زمان و مکان کو اپنی عظمت سے بھر دیا ہے!

ہاں..... بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ حضرت نسیبہ فتح و نصرت کی خوشی سے مسکراتے اور لہراتے جس بھی پرچم کی طرف نگاہ اٹھاتیں اس کے اوپر اپنے بیٹے حضرت حبیبؓ کا چہرہ ہنستا مسکراتا اور کودتا اچھلتا دیکھتیں..... اللہ اکبر

مسافرانِ آخرت

● اہلیہ مرحومہ، مولانا فقیر اللہ رحمانی چوہان ● خوش دامن مرحومہ، حافظ محمد اشرف (رحیم یار خان)

● بنت مرحومہ، قاری غلام رسول، ناگڑیاں (گجرات)　　قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

دعاءِ صحت

● سید عطاء المحسن بخاریؒ کے دیرینہ دوست جناب چودھری شفیق ایڈووکیٹ

● والدہ محترمہ، شیخ محمد عاطف ● اہلیہ محترمہ، جناب محمد علی ● مجلس احرار اسلام ملتان کے مخلص کارکن اللہ نواز خان

● والدہ محترمہ، محمد الیاس میراں پوری ● والدہ محترمہ، فرحان الحق حقانی ● جام غلام یٰسین (ماہڑہ، مظفر گڑھ)

قارئین سے دعا صحت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

ترا اِسم ہے مری زندگی (حمدیہ)

ڈاکٹر اسلم انصاری

میں رہینِ موج و کنار تھا
تری آرزو نے گہر کیا
میں سکوتِ شاخِ خیال تھا
مجھے حرف حرف ثمر کیا
مری نارسائی کے درد کو
ہمہ تن متاعِ ہنر کیا
مرے ساز و برگِ شعور کو
غمِ احترام بشر کیا.....
میں نوائے شامِ فراق تھا
مجھے بہرہ یابِ اثر کیا
میں سرودِ حرفِ وداع تھا
مجھے وصلِ نقش و نظر کیا

مرا ظرف تھا مری تشنگی
مجھے اپنی یاد سے بھر دیا
میں نہاں تھا خوابِ نمود میں
مجھے اعتبارِ سحر دیا
میں رواں تھا دشتِ سراب میں
مجھے مدعائے سفر دیا

میں خزاں میں شوقِ بہار تھا
مجھے منظرِ گُلِ تر دیا
میں سوادِ شہرِ غبار تھا
مجھے حُسنِ کوچہ و در دیا

ترا اسم ہے مری زندگی
مجھے اذن دے کہ رقم کروں
جو ہے شاخ شاخ میں مستتر
اسے برگ برگ بہم کروں
جو صدف صدف میں ہے مضطرب
اُسے صرفِ لوح و قلم کروں
دل و جاں کے سارے خروش کو
کسی حرفِ شوق میں ضم کروں

ترا اسم ہے مری زندگی
مجھے اذن دے کہ رقم کروں

O

(مارچ ۱۹۸۱ء)

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

پروفیسر خالد شبیر احمد

ثانی نہیں ہے اُن کا کوئی شش جہات میں
ہے دھوم جن کے نام کی کل کائنات میں

ہر ایک حرف اُن کا فضاؤں پہ نقش ہے
یکتا ہیں منفرد ہیں وہ ذات و صفات میں

کتنا طویل اُن کے قصیدوں کا سلسلہ
رکھی خدا نے کیسی کشش اُن کی ذات میں

اُن کے طفیل دنیا نے پائی ہیں راحتیں
جن کے بغیر زندگی تھی مشکلات میں

اُن کے کرم سے رنگِ بہاراں ہے ہر طرف
فصلِ خزاں تھی جن کے بنا کائنات میں

دیں کے لیے وہ اُن پہ مصائب کی انتہا
لیکن نہ ڈگمگائے وہ راہِ ثبات میں

یوں گفتگو میں اُن کے تھی لفظوں کی چاندنی
کرنیں ہوں جیسے نور کی ہر ایک بات میں

اُن کے قصیدے کیوں نہ پڑھوں صبح و شام میں
جو لائے انقلاب، جہانِ حیات میں

خالدؔ یہ اک بہانہ ہے اُن سے کلام کا
حق نعت کا ادا ہو، نہیں ممکنات میں

مغرب کی دہشت گردی اور درندگی کا ایک باب

مولانا محمد عیسیٰ منصوری (لندن)

برِاعظم امریکہ کی دریافت مغربی دنیا ایک یہودی نائٹس (فری میسن) کولمبس سے منسوب کرتی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ برِاعظم حضرت مسیح علیہ السلام سے ۲۵ ہزار سال پہلے آباد تھا اور مختلف زمانوں میں یہاں انسانی قافلے آتے جاتے رہے۔ کولمبس جس بحری جہاز کے ذریعہ امریکہ پہنچا۔ اس کا ملاح بھی ایک عرب جہاز راں تھا اور کولمبس کے پاس بحری راستوں کے عربوں کے تیار کردہ نقشے تھے لیکن مغربی انا پرستی کسی مسئلہ میں کسی غیر یورپی کی برتری تسلیم نہیں کر سکتی۔ کولمبس سے پہلے وہاں متمدن آبادیاں تھیں جو منضبط قوانین وضابطوں کے تحت زندگی گزارتی تھی۔ امریکہ کی آبادی افریقہ اور یورپ کی مجموعی آبادی سے زیادہ تھی۔ قطع نظر ان تمام حقائق کے آج ہم صرف امریکہ کے اصل باشندوں (ریڈ انڈین) کے ساتھ مغربی مداخلت کاروں کے رویہ، ان کی ظالمانہ درندگی پر بحث کریں گے۔

آج مغربی دنیا میں کولمبس کو ایک عظیم ہیرو کی حیثیت حاصل ہے جس نے یورپ کو لوٹ مار کے لیے ایک وسیع و عظیم شکارگاہ فراہم کی۔ اس لیے نہ صرف یورپ بلکہ امریکہ میں سب سے زیادہ اس دیوتا کے مجسمہ نظر آئیں گے۔ کولمبس کے امریکہ پہنچنے کے صرف ۳۱ سالوں میں اسی لاکھ ریڈ انڈین کا قتل عام کیا گیا اور پھر پندرہویں صدی کے اختتام تک امریکہ کی ریڈ انڈین آبادی جو ساڑھے نو کروڑ کے لگ بھگ تھی کیلی فورنیا یونیورسٹی کے سوشیالوجی کے مشہور پروفیسر مائیکل مین کی معروف تحقیقی کتاب THE DARK SIDE OF DEMOCRACY کے مطابق صرف دو صدیوں کے بعد ان کی آبادی بڑھنے کے بجائے صرف پچاس لاکھ رہ گئی۔ باقی نو (۹) کروڑ ریڈ انڈین کہاں گئے؟ آج ہم مختصر طور پر اس پر روشنی ڈالیں گے۔

ریڈ انڈین (سرخ ہندی) ہزاروں سال قبل مسیح سے امریکہ میں متمدن اور پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ ان کا اصل مرکز ''اوکلاہوما'' تھا۔ جہاں آج صرف چند ہزار ریڈ انڈین بچے ہیں اور ان کی پچاس زبانوں میں صرف اپاچی بچی ہے۔ یورپ کے مہذب مداخلت کاروں نے اعلان کیا کہ مغربی تہذیب کے لیے ریڈ انڈین قبائل کا خاتمہ ضروری ہے۔ ہٹلر نے کبھی سرعام اس قسم کے انتہا پسندانہ بیانات نہیں دیے۔ نعرہ دیا گیا کہ سرخ ہندی کو شہر بدر یا ختم کر دو۔ ۱۸۷۱ء میں دو سفید گھوڑے چوری کرنے کے جرم میں جنرل ٹوسن (Tosan) کی سربراہی میں ریڈ انڈین قبیلے کی اپاچی پر حملہ کر کے ۸ مرد اور ۱۳۶ عورتیں قتل کی گئیں۔ مرد بڑی تعداد میں پہلے ہی قتل کیے جا چکے تھے۔ عورتوں کے قتل سے پہلے اجتماعی عصمت

دری کی گئی۔اس کارنامے پر مقامی اخبار DENVER NEWS نے قاتلوں کو مبارک باد دی اور اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ مرنے والوں کی تعداد کم ہے دوگنی ہوسکتی تھی۔

قاتلوں پر مقدمہ کا ڈھونگ رچایا گیا۔مقدمہ چلا۔عدالت نے ان مجرموں کو بری کرنے میں صرف نو منٹ لگائے کیونکہ مہذب عدالتیں گورے کے خلاف کسی ریڈ انڈین کی گواہی قبول نہیں کرتی تھیں۔اگر کبھی ریڈ انڈین گورے کو قتل کر دیتے تو آج کی طرح ساری گوری نسلیں جمع ہوکر ان پر حملہ کرتیں۔یورپین نسلیں ایک ہوکر ان پر حملہ کر دیتی اور غیر یورپین کے مقابلہ میں اپنے باہمی اختلافات بھلا دیتیں۔MOCDOC ریڈ انڈین قبیلے نے کیلی فورنیا کی سرحد پر جنرل کیبی کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا کہ جنرل شرمان کا حکم صادر ہوا کہ سوائی قبیلے کی عورتیں، بچوں، مردوں کے مکمل خاتمہ تک ہمیں نہایت سنجیدگی اور مستقل مزاجی سے ان کے خلاف لڑنا ہوگا۔غرض اس قبیلے کی مکمل نسل کشی اور ان کی زمینوں پر قبضہ کے بعد یہ جنگ ختم ہوئی۔جارج واشنگٹن جیسا ہیرو اپنے جنرل کو ہدایت دیتا ہے کہ اِرکو قبیلے کی تمام باقیات کے خاتمہ تک امن کا کوئی نغمہ سننے کی ضرورت نہیں۔تمام سرخ بھیڑیوں کو ختم کر دو۔صدر واشنگٹن اور جیفرسن خود بہت سے غلام رکھتے تھے اور صدر انڈریو جیکسن جو ریڈ انڈین کا ہمدرد مشہور کیا گیا۔اس کے دور میں ووٹ ڈالنے کا حق صرف گوروں کو حاصل تھا۔اس نے صرف ایک گوری عورت یرغمال بنانے پر ریڈ انڈین کے ''کریک'' قبیلے کی بستیوں کو تباہ کرنے اور ان کی بیوی بچوں کو قبضہ کر لینے کا حکم صادر کر دیا۔چنانچہ ۱۸۳۰ء میں جو رحم دلانہ آپریشن کیا گیا اس میں کریک قبیلے کے دس ہزار، چیرو قبیلے کے چار ہزار، چاکٹ قبیلے کے چار ہزار باشندے ہلاک کیے گئے۔امریکہ کے پانچویں عظیم ترین جمہوریت پسند صدر تھیوڈر روز ویلٹ کا ارشاد ہے کہ تمام جنگوں میں سب سے عظیم جنگ وہ ہے جو ریڈ انڈین وحشیوں کے خلاف لڑی گئی (چونکہ براعظم امریکہ پر غاصبانہ قبضے نے یورپ کی گوری نسلوں کو دنیا بھر کی اقوام پر حملہ کرنے کے قابل بنا دیا)۔بہترین سرخ ہندی وہ ہیں جو مر چکے ہیں اور میرا خیال ہے دس میں سے نو ہلاک ہو چکے ہیں اور دسویں کے بارے میں مجھے کوئی جستجو نہیں۔

کیلی فورنیا میں لاکھوں مردوں اور عورتوں کو جبراً علاحدہ کیا گیا۔لواطت کی عادت کے ذریعہ مردوں میں بھیانک بیماریاں عام کی گئیں۔لڑکیوں کو طوائف بننے پر مجبور کیا گیا۔چنانچہ ۱۸۴۸ء سے ۱۸۶۰ء ۱۲ سال کی مدت میں صرف کیلی فورنیا میں ریڈ انڈین کی آبادی ۱۵ لاکھ سے کم ہوکر صرف ۳۱ ہزار رہ گئی۔قانوناً ریڈ انڈین کو قتل کرنے کی پوری آزادی تھی اس پر کوئی سزا نہیں تھی۔ریڈ انڈین جہاں چلتے پھرتے نظر آتے گولیوں سے اڑا دیے جاتے۔قتل کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی۔انھیں ہیرو کا درجہ دیا جاتا۔عورتوں بچوں تک کے قتل کی کھلی آزادی تھی۔ریڈ انڈین جہاں چلتے پھرتے نظر آتے، ان کو پکڑ کر زنجیروں میں جکڑ کر جبری مزدور بنا لیا جاتا۔اس کام کے لیے ہر جگہ لاکھوں ڈالر مختص کیے جاتے۔ایک جگہ گیارہ لاکھ ڈالر ادا کیے گئے۔یورپین غاصب ان بے چاروں سے آئے دن معاہدے کرتے پھر معاہدے توڑ کر ان پر حملہ کر دیا جاتا۔یہی یورپین فطرت اور ثقافت آج بھی ہے۔سرخ ہندیوں کو جن دشوار گزار خطرناک علاقوں میں دھکیلا گیا۔وہ اتنے تنگ اور سنگلاخ تھے کہ وہاں اتنے لوگ سما نہیں سکتے تھے۔اس طرح وہ خود بخود موت کے منہ میں چلے جاتے

۔کروڑوں ریڈ انڈین کے قتل عام کے علاوہ ان میں بیماریاں پھیلانے کے لیے مخصوص چیچک زدہ کمبل دیے گئے کہ چیچک کی وبا عام ہو۔تا کہ ان کی موت کا ذمہ دار گردشِ آسمانی کو ٹھہرایا جا سکے اور گورے قاتل ہر الزام سے بری ہو کر انسانیت وتہذیب کے معلم بنے رہیں۔غرض اسی فیصد براہِ راست قتل نہیں کیے گئے بلکہ بالواسطہ ان کے مرنے کے لیے حالات پیدا کیے گئے۔

یورپین نو آبادکار امریکہ کے اصل باشندوں کو کرسچن بنانا بھی نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کے جملہ وسائل اور ہزار ہا سال کی دولت ہڑپ کرنا چاہتے تھے۔اس لیے ان کا وجود ختم کرنا ضروری تھا۔جرمنی کا ہٹلر ۶۰ لاکھ انسانوں کا قاتل بتایا جاتا ہے۔جبکہ انہی دنوں امریکہ اور یورپین ممالک میں ۵۰ لاکھ کے قریب یہودی جرمنی سے منتقل ہوئے۔یقیناً لاکھوں یہودی قتل کیے گئے۔مگر وہ سب غریب یہودی تھے جنھیں صہیونیوں نے منصوبہ کے تحت قتل کروایا کہ آئندہ یورپین اقوام کو بلیک میل کر کے ان کی گردنوں پر مسلط ہو سکیں۔اب اس پر تحقیق کی بھی اجازت نہیں کہ جرمنی کی کل یہودی آبادی کتنی تھی؟ کتنے یورپ اور امریکہ منتقل ہوئے؟ اور جو غریب یہودی قتل کروائے گئے اس کے پیچھے کیا منصوبہ تھا۔بلکہ جو کچھ صہیونی ہیں دنیا کا اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔گزشتہ دنوں ایک بوڑھے اسکالر کو یہ سوال اٹھانے پر ان مہذب لوگوں نے جیل بھیج دیا تا کہ صہیونی دہشت کی وجہ سے کوئی ریسرچ ہی نہ کر سکے۔آج جو امریکہ اور یورپ کی ناک میں صہیونی غلامی کی نکیل نظر آتی ہے۔یہ جرمنی کے لاکھوں غریب یہودیوں کو قتل کروا کر ہی صہیونیوں نے حاصل کی۔روسی انقلاب میں ۶۰ لاکھ زمینی بلکہ ۷۰ سال میں ۶ کروڑ کے لگ بھگ لوگ مارے گئے۔مگر اس کا کہیں تذکرہ تک نہیں ہوتا کہ قاتلوں میں ۸۰ فیصد صہیونی یہودی تھے۔آج صہیونیوں کے غلام امریکہ اور یورپ میں ہٹلر کے مظالم کا شور مچا ہوا ہے۔کوئی دن نہیں جاتا کہ ہٹلر کے مظالم پر فلم، ڈرامہ، کتاب، رسالہ، مضامین نہ آتے ہوں۔اسکولوں میں معصوم بچوں کو اسکرین پر ہٹلر کے مظالم اور یہودیت کی مظلومیت کی کتنی ہی فلمیں بنا کر ذہن سازی کی جاتی ہے تا کہ اسرائیل روزانہ معصوم عورتوں، بچوں، بوڑھوں پر بلڈوزر چلائے۔مکانوں کو رہائشیوں سمیت بم سے اڑا دے تو ان مہذب اقوام میں کوئی بچہ تک اف نہ کرے کہ جرمنی نے یہودیوں کا قتل عام کیا تھا، اس لیے انھیں فلسطین کے عوام کے قتل عام کا پورا حق ہے۔یہ ہے مغرب کی مہذب اقوام کا انصاف روز یورپین میڈیا کے ذریعہ ہٹلر کے مظالم کو ذہنوں پر تازہ رکھا جاتا ہے۔جبکہ جتنے انسانوں کا قتل ہٹلر سے صحیح یا غلط طور پر منسوب ہے، اس سے کم از کم دو گنے بے قصور انسان ایک یہودی رہنما اسٹالن نے روسی انقلاب میں قتل کیے۔مگر آپ نے کہیں ظالموں کی فہرست میں اسٹالن کا نام نہیں دیکھا ہوگا۔بلکہ اس عظیم قاتل کو انسانیت کا محسن بنا کر پیش کیا جاتا ہے جس نے اپنے خود ساختہ غیر فطری معاشی نظام کے تجربہ کے لیے کروڑوں بے قصور عوام قتل کیے جو نظام ۷۰ سال کے اندر ریت کے محل کی طرح ڈھ گیا۔

تاریخی طور پر یورپ کے نزدیک مذہب خدا کی معرفت یا آخرت سنوارنے کے بجائے ہمیشہ محض لوگوں کو پھانسنے اور اقوام عالم پر غاصبانہ قبضہ ان پر اپنی غلامی کا شکنجہ کسنے کا حیلہ ہوا ہے۔اس لیے جن ریڈ انڈین نے عیسائیت قبول کی اور یورپی کلچر اور تمدن کو اختیار کیا، ان کو بھی کبھی مغربی گورے معاشرہ نے دل سے قبول نہیں کیا۔۲۰۰۶ء میں امریکہ میں

سونامی کے سمندری طوفان میں دیکھا گیا۔ہسپتالوں اور اولڈ ہومز (بوڑھوں کے گھروں) تک سے چن چن کر گورے مریضوں اور بوڑھوں کو نکال کر محفوظ مقامات پر پہنچا دیا گیا اور کالے عیسائی مریضوں اور بوڑھوں کو مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔یہی عیسائیت قبول کرنے والے ریڈ انڈین کے ساتھ ہوا۔ بے رحمانہ قتل کے ساتھ ان کی جلاوطنی کا عمل ایسی بے رحمی اور شقاوتِ قلبی سے کیا گیا۔ان غریبوں کو خطرناک دشوار گزار غیر آباد علاقوں میں بندوق کے زور پر ہانک دیا جاتا کہ ہزار ہا بوڑھے عورتیں بچے بھوک، پیاس، خطرناک سفر کی صعوبتوں اور بیماریوں سے لقمۂ اجل بن جاتے۔Hoxic کی مشہور کتاب KILL THE INDIAN SPARE THE MEN میں لرزہ خیز تفصیلات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں کہ یورپین جلادوں نے امریکی باشندوں پر اور غیر یورپین نسل پر دنیا بھر میں ہر ہر دور میں کیسے بھیانک مظالم ڈھائے۔

ظالم محض معاشرتی وتمدنی نہیں بلکہ مذہبی بھی تھے۔آج بھی کسی گوری چمڑی والے کو کالے کرسچین کا اپنے چرچ میں آنا پسند نہیں۔ پوپ کی نجی فوج آج تک سویٹزرلینڈ کی گوری نسل ہی سے رہی ہے۔اسی مذہب (مغربی عیسائیت) کی پوری تاریخ میں کوئی بلال حبشی، صہیب رومی اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم نہیں ملے گا۔البتہ ۲۰۰۵ء میں دنیا کو بے وقوف بنانے کے لیے پہلی بار صرف دو کالے پوپ کی فوج میں لیے گئے۔مغرب کی پوری تاریخ نسل پرستی اور انسانیت دشمنی کا شاہکار ہے۔رومن امپائر نے عیسائیت قبول کرنے کے بعد یورپ اور اطراف کے ممالک کے ۸۰ فی صد قبیلوں کا قتل عام کیا اور ۲۰ فیصد کو کرسچن بنا کر غلامی میں لیا۔یورپ کی اڑھائی سو سالہ مقدس مذہبی صلیبی جنگوں میں روم سے لے کر فلسطین تک راستے کے تمام شہروں کو ملا کر خاکستر کیا گیا اور شہریوں کا قتل عام ہوا۔ان میں مشرقی رومن امپائر کے کئی ملکوں کے کرسچن شہری بھی تھے۔ یورپ کی یہ ذہنیت ہمیشہ سے رہی ہے۔گزشتہ سالوں میں عراق اور افغانستان میں ۳۰ لاکھ سے زیادہ بے قصور عوام فضائی بمباری سے قتل کیے گئے۔بش، ڈک چینی، رمزفیلڈ جیسے ''مہذب'' لوگوں نے کبھی اس درندگی پر ایک لفظ تأسف کا نہیں کہا۔البتہ سفاک امریکی فوجیوں کو ہر جگہ ہیرو بتا کر خراج تحسین پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ یورپ کے ذہن، فکر ونفسیات میں یہ بات داخل ہے کہ ساری انسانیت (غیر یورپی) ان کی اطاعت یا ان کے ہاتھوں سزا پانے کے لیے خدا نے پیدا کی ہے۔اسی طرح بیسویں صدی میں انڈونیشیا سے لے کر جنوبی امریکہ کے ممالک تک ہر قوم وتہذیب کا قتل عام اس یورپین مہذب نسل نے کیا۔تفصیلات کے لیے دیکھیے ویب سائیٹس geno cide۔گزشتہ دنوں ان درندوں نے ان ویب سائیٹس کو بھی مٹانا شروع کر دیا ہے۔آج کل صرف نازیوں کے ہاتھوں یہودیوں کا ہولوکاسٹ یا زیادہ سے زیادہ روانڈا کا قتل عام ہی ویب سائٹ پر نظر آتا ہے۔جدید تحقیقات کے لیے دیکھیے: انسائیکلو پیڈیا آف وائلنس یا کیلی فورنیا کے سوشیالوجی یونیورسٹی کے معروف پروفیسر مائیکل مین کی کتب۔ مائیکل مین کی تحقیقات بتاتی ہیں کہ یورپ کی اس مہذب نسل نے صرف بیسویں صدی میں ۳۳ کروڑ انسانوں کا دنیا بھر میں قتل عام کیا اور ۱۷ کروڑ بے قصور انسانوں کو بھیانک اذیت ناک سزائیں دیں۔ باقی پانچ ہزار سالہ معلوم تاریخ میں جو انسانیت کا قتل عام ہے ان میں بھی زیادہ تر چینی شہنشاہوں، تاتاریوں اور بھارت کے منووادیوں (برہمن) نے کروڑوں بھارت کے اصل باشندوں اور

بدھوں کا قتل عام شامل ہے۔ پروفیسر مائیکل مین کی یورپین اقوام کے ہاتھوں انسانیت کی نسل کشی پر کئی تحقیقی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں ۲۰۰۵ء میں The Dark Side of Democracy اور ۲۰۰۴ء جمہوریت اور نسل کشی میں فطری تعلق خاص طور پر اہم ہیں ان کے بعض اہم مضامین لندن سے ہونے والے رسالے ''نیو لائف ایو یو'' میں بھی چھپ چکے ہیں۔ (انسائیکلو پیڈیا آف وائلنس بیس کنسلٹنگ ۳/ حصے) اکیڈمی پریس ۱۹۹۷ء کے مطابق گذشتہ تین ہزار سالوں میں یعنی ۲۲۱ قبل مسیح سے لے کر انیسویں صدی کے اختتام تک تقریباً تیس کروڑ چالیس لاکھ افراد قتل ہوئے اور یورپین غلبہ کے بعد صرف افریقی باشندوں کو پکڑ پکڑ کر جہاز بھر بھر کر غلام بنا کر لانے کے سلسلہ میں ایک کروڑ ستر لاکھ افراد قتل کیے گئے۔

آپ نے امریکی باشندوں کے ساتھ یورپین دہشت گردی و درندگی کی ایک جھلک ملاحظہ کی۔ حیوانیت و درندگی کا یہ عمل اس سے کہیں زیادہ بہیمت و بے رحمی کے ساتھ براعظم آسٹریلیا میں دہرایا گیا۔ جدید تحقیقات کے مطابق برّاعظم آسٹریلیا کے باشندوں کی خاصی تعداد مسلمان تھی اور ان کا عرب جہاز رانوں کے ذریعہ باقی دنیا سے رابطہ تھا۔ وہ اسلام کی درخشان مہذب عالمی تہذیب کا حصہ تھے۔ یورپ کی سفید چمڑی والی حیوانی نسل نے اس بری طرح اس پورے برّاعظم میں نسل کشی کی کہ پورے برّاعظم میں ایک بچہ تک زندہ نہیں چھوڑا جو دنیا کو یورپی درندگی کی کہانی سنا سکے۔ یورپی درندگی دہشت گردی کا یہی عمل کینیڈا، فن لینڈ، نیوزی لینڈ اور بے شمار جزائر و ممالک میں دہرایا گیا حتیٰ کہ یورپ سے نکلی لٹیروں اور ڈاکوؤں کی یہ نسل انیسویں صدی تک دنیا کے بڑے حصہ کی مالک بن بیٹھی۔ بیسویں صدی میں یہی دہشت گردی اور درندگی کا عمل باقی دنیا کی اقوام و تہذیبوں کے ساتھ دہرایا گیا۔ ویت نام، کوریا، کمبوڈیا، میسیکو چلی، ایشیا، افریقہ و جنوبی امریکہ کے ممالک میں کروڑوں لوگ اس کی بھینٹ چڑھے۔ اس طرح دنیا بھر کی اقوام و تہذیبوں پر مغرب نے غلبہ پایا۔ یورپ کے ان مہذب درندوں کے لیے ملین دو ملین افراد کا قتل معمولی تفریح کی حیثیت رکھتا ہے۔ عصر حاضر میں یہی یورپین مجرم نسل عالمی برادری کہلاتی ہے۔ آج اس عالمی برادری میں امریکہ، یورپ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، اسرائیل، جاپان، روس وغیرہ داخل ہیں۔ اب پورے زور و شور سے بھارت کا اس عالمی برادری میں استقبال کیا جا رہا ہے۔ بھارت پر ہزار ہا سال سے سیاسی، تہذیبی و مذہبی طور پر نسل پرست منووادیوں کا کنٹرول ہے جن کے سامنے سیکولر بھارت کی ۹۰ فی صد آبادی بے بس ہے۔ منووادیوں کا مذہب و فطرت طاقت کی پوجا ہے اور طاقت کی پوجا کرنے والی قوم کی نفسیات میں کمزور پر ظلم ڈھانا فطری بات ہے۔ آج کل دنیا کی مظلوم اقوام فلسطین، بوسنیا، چیچنیا، کشمیر وغیرہ جب انصاف کے لیے عالمی برادری کو پکارتی ہیں تو مجھے ہنسی آتی ہے کہ بیچارے عالمی برادری کی سرشت سے واقف نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا پر یورپین اقوام کا غلبہ انسانیت کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے۔ انسانیت کو تقریباً ہزار سال تک مسلمانوں نے بچائے رکھا۔ ان سانپ بچھوؤں کی صفت والی وائٹ نسل کو ان کے ڈربوں (یورپ کی سرزمین) سے نہیں نکلنے دیا (اسی طرح منووادی نسل پرستوں کو لگام ڈال رکھی تھی) عالمی طور پر مسلمانوں کا کمزور ہونا تھا کہ یہ درندے انسانیت پر پل پڑے اور نسلوں کی نسلیں ذبح کر ڈالیں جس کی ہلکی سی جھلک آپ ریڈ انڈین کے قتل عام میں دیکھ چکے ہیں۔

یہ ہیں ہمارے ملک کے سیاست دان

پروفیسر خالد شبیر احمد

ملک کے اندر اٹھارویں ترمیم پر ایک شور برپا ہے۔ تنقید و تبصرہ کا ایک طوفان ہے جو تھمتا نظر نہیں آتا۔ ابھی صرف قومی اسمبلی سے یہ ترمیم پاس ہوئی ہے جبکہ سینٹ میں اس کی منظوری کے بعد صدر ریاست کے پاس دستخط کے لیے جائے گی اور اس کے بعد ترمیم آئین کا حصہ بن جائے گی۔ اس ترمیم کو ترتیب دینے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے جو سینیٹر رضا ربانی کی قیادت میں پچھلے کئی ماہ سے زیر غور رہنے کے بعد قومی اسمبلی کے پیش ہوئی تو اس کی کئی شقیں عوام کے سامنے آئیں، جس میں ایک شق یہ بھی ہے کہ سیاسی جماعتیں اپنے اندرونی انتخابات سے مستثنیٰ ہوں گی۔ یعنی ملک کی سیاسی جماعتیں اپنے انتخابات کرانے کی پابند نہیں ہوں گی اور اس طرح اسی کی ایک اور شق یہ ہے کہ وزیر اعظم کو اپنی پارٹی کے سربراہ کی طرف سے حکم ملنے پر وزارتِ عظمیٰ سے مستعفی ہونا پڑے گا۔ یہ دونوں شقیں ملک کے دانشوروں کی طرف سے شدید تنقید کا نشانہ بن رہی ہیں۔ کیونکہ ان دونوں ترامیم کے بعد سیاسی پارٹیاں اپنے سربراہ کے رحم و کرم پر ہوں گی۔ اس وقت جس خاندان کے پاس سیاسی پارٹی کی سربراہی ہے، وہی خاندان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس سیاسی پارٹی کا سربراہ رہے گا بلکہ اس سے اگلی بات جو اور زیادہ قابل اعتراض ہے یہ ہے کہ ہر خاندان جو کسی نہ کسی جماعت کی سربراہی کے شرف سے سرفراز ہے۔ اس خاندان کے نوجوان سپوت میدانِ سیاست میں لائے جا رہے ہیں۔ تاکہ بڑوں کی موت کے بعد ان کے چھوٹے ان کی جگہ لینے کے قابل ہو جائیں اور پھر یہ جمہوریت ایک ایسی جمہوریت کی شکل اختیار کر جائے جسے ہم موروثی اور خاندانی جمہوریت کا نام دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ یہ اس ملک میں ہو رہا ہے کہ جس ملک کے سیاست دان جمہوریت کو دین کی کرسی پر بٹھا کر اس کی دن رات پوجا کرتے نظر آتے ہیں۔ جمہوریت کی فضیلت کے ترانے گائے جا رہے ہیں اور جمہوریت کا راگ الاپنا ان کے ہاں اتنا ہی فضیلت مآب ہے جتنا ہمارے ہاں دین اسلام میں عبادت۔ یہ لوگ بادشاہت طرزِ حکومت کو نشانۂ عتاب بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس طرزِ حکومت میں باپ کے بعد بیٹا اس کی جگہ پر آجاتا ہے اور یہ طرزِ حکومت موروثیت کی بنیادوں پر آگے بڑھتی ہے۔ اس لیے اسے دن رات گالیاں دیتے ہیں اور اپنی یہ حالت ہے کہ لوگوں کے لیے تو جمہوریت بہت ضروری ہے۔ لیکن اپنے لیے جمہوریت کوئی ضروری نہیں ہے۔ یہ سب کچھ

اس لیے ہے کہ اقتدار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک خاندان میں ہی رہے اور کوئی دوسرا فرد اس اعزاز تک نہ پہنچ سکے۔ اگر پرویز الٰہی نہیں ہوگا تو مونس الٰہی آجائے گا اور اسی طرح اگر شہباز شریف اللہ کو پیارے ہو جائیں گے تو ان کی جگہ پر حمزہ شہباز ان کی گدی پر براجمان ہو جائے گا۔ اگر بھٹو نہیں تو اس کی بیٹی اور اگر بیٹی نہیں تو اس کا بیٹا جماعت کا سربراہ ہوگا۔ اگر باچا خان کے بعد ولی خان آیا تو اس کے بعد ان کے بیٹے نے قیادت سنبھال لی۔ وہ آج اے این پی کے سربراہ ہیں جس کے بعد ان کے بیٹے۔ اور یہ بات سیاسی جماعتوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ہمارے ملک کی دینی جماعت جسے سب سے بڑی دینی جماعت کہلانے کا شوق ہے۔ ان کے ہاں بھی یہی سلسلہ چل رہا ہے کہ باپ کے بعد بیٹا باپ کی گدی پر جماعت کی سربراہی کا اعزاز حاصل کیے ہوئے ہیں اور وہ اب اپنے بھائیوں کو بھی سیاست کے میدان میں لے آئے ہیں تاکہ یہ سلسلہ آگے جاری رہے۔ انھیں شاید امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ حکم یاد نہیں کہ جب انھوں نے اپنے بیٹے کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ خلیفہ کے چناؤ کے لیے تو میرا بیٹا رائے دے سکے گا لیکن خود اسے خلیفہ نہیں بنایا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے اس کی وجہ بھی بتادی تھی کہ میں جس سخت امتحان سے گزرا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا بیٹا اس امتحان سے گزرے، خلافت ایک سخت ذمہ داری ہے جس کو پورا کرنا انتہائی مشکل ہے۔

ہمارے ملک کے سیاست دان اسے ذمہ داری نہیں سمجھتے بلکہ منصب تک پہنچنا ان کے ہاں جمہوریت کا بنیادی تقاضا ہے۔ اسی سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام اور جمہوریت میں کیا فرق ہے اسلام میں اقتدار حاصل کرنے کی خواہش کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ لیکن جمہوریت میں اقتدار حاصل کرنا انتہائی ضروری اور لازمی ہے۔ پوری اسمبلی میں اس شق کی مخالفت کرنے والے صرف دو ہی سیاست دان تھے، ایک جاوید ہاشمی اور دوسرے سعد رفیق، باقی سارے مہر بہ لب ہی رہے۔

اب دوسری بات صوبہ سرحد کے نام کی وجہ سے جو صورت حال پیدا ہوئی ہے وہ بھی ان خود غرض سیاست دانوں کی نااہلی اور ان کی سیاسی مفادات کے لیے حرص و ہوس کی نشان دہی کرتی ہے۔ اے این پی کی مرکزی قیادت حکومت کا حصہ ہے۔ زرداری صاحب کی حوصلہ افزائی نے انھیں اپنی پرانی خواہش پختونستان کو عملی جامہ پہنانے پر آمادہ کرلیا وہ پختونستان کا نام تو نہ دے سکے البتہ پختون خواہ کے لیے تیار ہو گئے۔ ن لیگ نے اس پر اعتراض کیا تو پختون خواہ سے ''خیبر پختون خواہ'' ترمیم کا حصہ بن گیا۔ جب قومی اسمبلی نے یہ ترمیم پاس کردی تو ایبٹ آباد احتجاجی مظاہروں کا مرکز بن گیا۔ ق لیگ نے صورت حال کو ہوا دی اور اس طرح مانسہرہ ہری پور وغیرہ اس احتجاج کی لپیٹ میں آگئے۔ نوبت احتجاجی مظاہروں پر گولیوں تک پہنچ گئی اس طرح آٹھ دس آدمی اس سیاسی خلفشار کی نذر ہو گئے۔ لیکن معاملہ جوں کا توں ہی ہے۔ اب ملک کے سیاست دان بے چارے پریشان ہیں کہ کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن، ادھر

سینٹ میں ملک کو مزید صوبوں میں تقسیم کرنے کی تجویز آ گئی ہے۔ ایم کیو ایم ایبٹ آباد کے مظاہرین کے حق میں بیان دے رہے ہیں اور اس بات کی تاکید کر رہے ہیں کہ ہزارہ کے نام سے ایک صوبہ اور بنا دیا جائے۔ ادھر پنجاب کے جنوبی حصہ کو علیحدہ کر کے اسے سرائیکی صوبے کی بات ہو رہی ہے۔ لیکن ملک کا دستور اس راہ میں حائل ہے اور کہتا ہے کہ اگر کسی صوبے کی حدود کو تبدیل کرنا ہو تو اس کے لیے اس صوبے کی اسمبلی کی دو تہائی تائید اس کے لیے پہلی ضرورت ہے۔ یہ دو تہائی اکثریت کیسے حاصل ہوگی جبکہ سرحد میں اے این پی کی اکثریت ہے اور پنجاب کے اندر بھی یہی صورت حال ہے کہ پنجاب اسمبلی میں ان کی اکثریت ہے جو پنجاب کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔

یہ صورت حال اس وقت پیدا ہو چکی ہے، اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ لوگوں کے عوامی مسائل دن بدن بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ لیکن ان مسائل کو حل کرنے کے لیے حکومت کے پاس سرے سے کوئی وقت ہی نہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جو مسائل عوام کے ہیں ان سے حکمرانوں کو کسی قسم کی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ مطالبہ تو کیا جا رہا ہے کہ ملک کے وزیراعظم کو امریکہ سے بلا کر ایک آل پارٹی کانفرنس بلائی جائے اور اس میں اٹھارویں ترمیم پر اٹھنے والے اعتراض کا کوئی حل تلاش کیا جائے لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ ملک کے اندر بجلی کے بحران کو کیسے ختم کیا جائے، مہنگائی کا جو طوفان آ گیا ہے، اس کا کیا علاج ہے۔ بے روزگاری اپنی انتہاء کو پہنچ گئی ہے اس کے تدارک کے لیے کیا کیا جائے۔ پانی دستیاب نہیں ہے اس کا کوئی حل کیسے ممکن ہے۔ یہ مسائل صرف اور صرف عوام کے لیے ہیں۔ سیاست دانوں کے مسائل یہ ہیں کہ صوبہ سرحد کا نام کیا رکھا جائے، سیاسی جماعتوں کے انتخاب نہیں ہو رہے تو لاکھوں، کروڑوں کا گھپلا کیسے ممکن ہے۔ لوٹی ہوئی دولت کی حفاظت کیسے کی جائے۔ بڑے بڑے ادارے کروڑوں اور اربوں روپے کے بجلی کے بل نہیں دے رہے، کوئی انھیں پوچھنے والا نہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ایوان صدر کے سیکریٹریٹ کے ذمے دو کروڑ بجلی کا بل ابھی تک واجب الادا ہے۔ آزاد کشمیر کی طرح دو ارب روپے کا بجلی کا بل ابھی باقی ہے۔ یہ سب مسائل لاینحل ہوتے جاتے ہیں۔ ان سیاست دانوں کی نااہلی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہے کہ یہ سب مل کر ایک صوبے کا نام ایسا نہیں رکھ سکے جو سب کو قابل قبول ہو۔ اگر تھوڑا سا بھی تفکر کیا جاتا تو ''خیبر پختونخواہ'' کی جگہ ''ہزارہ پختونخواہ'' بھی رکھا جا سکتا تھا۔ لیکن ایسا اس لیے نہ ہوا کہ نیت میں فتور ہے اور یہ نیت کا فتور اس وقت تک رہے گا۔ جب تک اقتدار پر براجمان رہنے کی ہوس ختم نہیں ہوتی اور یہ ہوس تو اس وقت ہی ختم ہوگی جب دین کی طرف ہم لوٹ آئیں گے اور ہمیں عیش و عشرت کی بجائے آخرت کی فکر لاحق ہوگی، آخری بات یہی ہے

نیت کا فتور ہے کہ ہم نامراد ہیں
شہہ رگ سے ورنہ خدا کتنی دور ہے

امتیازی قوانین کا خاتمہ مطلوب ہے!

عبدالرشید ارشد

امتیازی قوانین کیا ہیں اور یہ کن عدود تک جاتے ہیں مختلف قومیتوں اور مختلف مذاہب کے نزدیک ان کی تعبیر و تشریح مختلف ہے۔ ایک قانون اگر ایک مذہب کی ضرورت سمجھا جاتا ہے تو دوسرا مذہب اپنے تحفظات کی پٹاری کھول لیتا ہے۔ اس ضمن میں ہر دوسرے مذہب کی سحیت کے تحفظات زیادہ ہیں مگر ستم یہ ہے کہ وہ دوسروں کے تحفظات کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہم اپنی بات کا آغاز جاوید نذیر صاحب کے مضمون ''امتیازی قوانین کا خاتمہ'' مطبوعہ نوائے انسان شمارہ نومبر کے اقتباس سے کرتے ہیں:

> ''۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد کی منظوری کے بعد اداراتی سطح پر مذہب کے عمل دخل کے سلسلے کا آغاز ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد پاکستان کے پہلے آئین میں ملک کو سرکاری طور پر اسلامی جمہوریہ قرار دے کر غیر مسلم پر قدغن لگا دی گئی کہ وہ ملک کے صدر اور وزیر اعظم کا عہدہ نہیں سنبھال سکتا۔ ۱۹۵۶ء میں ہی اسلامی نظریاتی کونسل تشکیل دے کر اس سوچ کو پروان چڑھانے کی کوشش کا آغاز کیا کہ یہ ملک مذہب کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔'' (بحوالہ ''نوائے انسان'' نومبر ۰۹، صفحہ ۱۳)

مذکورہ اقتباس میں دو سوال پنہاں ہیں ی، دو نقاط جواب طلب ہیں۔ پہلا یہ کہ ''ملک مذہب کے نام پر حاصل کیا گیا تھا'' دوسرا یہ کہ ''غیر مسلم پر قدغن لگا دی گئی تھی کہ وہ ملک کے صدر اور وزیر اعظم کا عہدہ نہیں سنبھال سکتے۔'' ہم اپنی بات آگے بڑھانے سے قبل ان دو نقاط کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ ہماری گذارشات کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ پہلے سوال میں یہ فیصلہ ہونا ضروری ہے کہ کیا پاکستان کے مذہب کے نام پر حصول کا فیصلہ ۱۹۴۹ء میں ہوا تھا یا تخلیق پاکستان سے دس بارہ سال قبل یہ طے ہو چکا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے:

> ''اس قوم کو ایک جداگانہ گھر کی ضرورت ہے۔ ان دس کروڑ مسلمانوں کو جو اپنی تمدنی معاشرتی صلاحیتوں کو اسلامی خطوط پر ترقی دینا چاہتے ہیں ایک اسلامی ریاست کی ضرورت ہے۔''
>
> ''ایک آزاد اسلامی سلطنت کے بغیر اسلام کا تصور ہی باطل ہے۔ مسلمان کے نزدیک صحیح آزادی کا تصور یہ ہے کہ وہ ایسی اسلامی حکومت کو معرضِ وجود لائے جو قرآن کریم کے ضابطہ خداوندی کی متشکل ہو..... مسلمان کے نزدیک ہر وہ نظام باطل ہے جو کسی انسان کا وضع کردہ ہو کیونکہ اس کے پاس ایک محکم دستور ہے جو اس کی ہر موقع پر اور ہر زمانہ

میں رہنمائی کرسکتا ہے۔''

ہمیں یقین ہے کہ بانی پاکستان کے ۱۹۴۰ء کے اعلان سے یہ فیصلہ کہ ہمیں مذہب کی بنیاد پر ایک آزاد مملکت چاہیے اور مذہب بھی خالصتاً قرآن وسنت کی بنیاد کے ساتھ، جناب جاوید نذیر صاحب کا مغالطہ دور ہو جانا چاہیے کہ پاکستان کو ۱۹۴۹ء میں مذہب سے منسوب کیا گیا۔ جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل نے غیر مسلم صدر اور وزیر اعظم کے لیے راستہ بند کر دیا، ہم جاوید نذیر صاحب سے ہی بصد احترام یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، روس، چین، جاپان، سویڈن، ڈنمارک، ناروے اور آسٹریلیا میں جو مہذب، آزاد خیال اور نہ جانے کیا کیا کچھ ہیں کیا وہاں کبھی کوئی مسلمان سربراہِ مملکت یا وزیر اعظم کے عہدہ پر فائز رہا۔ وہاں بھی مسلمان آباد ہیں، ووٹر ہیں، ان کے کچھ حقوق بھی ہوں گے۔ لبنان میں مسلمان اور عیسائی کم وبیش برابر بستے ہیں وہاں صدر مسیحی ہونا لازم ہے۔ پاکستان میں ۹۸ فیصد سے زائد مسلمان آبادی ہے۔ ملک مذہب کے نام پر لیا گیا یہاں اعتراض کا کیا جواز ہے؟

جاوید نذیر صاحب کو اصل اعتراض تو یہ ہے یا وہ کہنا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں ''امتیازی قوانین'' کے سبب مسیحی اقلیت ظلم کا شکار ہے۔ اپنے اعتراض کے ضمن میں وہ تائیدی حوالہ سامنے لاتے ہیں کہ:

> ''قومی کمشن برائے انصاف (این سی جے پی) کے اعداد وشمار کے مطابق ۱۹۸۶ء سے ۲۰۰۹ء تک توہین مذہب کے مقدمات میں ۹۶۰ افراد کو ملوث کیا گیا۔ ان میں سے ۴۷۷ کا تعلق مذہب اسلام سے تھا، ۴۳۰ احمدی شہری تھی، مسیحی ۱۱۸، ہندو ۱۰ جب کہ ۱۰ کا عقیدہ نامعلوم تھا۔ ۳۲ افراد کو ماورائے عدالت قتل کیا گیا۔'' (نوائے انسان، صفحہ ۱۵)

مذکورہ اقتباس سے غیر مسلموں سے امتیازی سلوک کا ثبوت پیش نہیں کرتا کہ جس اسلام نے ۹۶۰ میں سے ۴۷۷ مسلمانوں کو ان کے خلاف اسلام کے سبب نظر انداز نہیں کیا اور باز پرس کی اس کے متعلق کیا عقلِ سلیم تسلیم کرتی ہے کہ اسے امتیازی سلوک کا طعنہ دیا جائے؟ ۹۶۰ میں سے صرف ۱۱۸ مسیحی تھے جنھوں نے اسلامی مملکت میں اکثریتی مذہب کی توہین کی تو سزا کے مستحق قرار پائے۔ کیا اسی کا نام امتیازی سلوک ہے؟ مسیحی برادری کی وکالت کا حق ادا کرتے جاوید نذیر صاحب جو خود بھی مسیحی ہیں مگر طے شدہ پالیسی کے مطابق نام مسلمانوں سے مشابہت والا ہے، بڑی دور کی کوڑی لاتے ہیں کہ:

> ''ایک طرف تو مسیحی ہیروز دشمن سے جنگ لڑ رہے تھے تو دوسری طرف مسیحیوں کو دشمن کا ایجنٹ بھی کہا جاتا تھا۔ بالکل اسی طرح سانحہ گوجرہ کے بعد مذہبی جماعتوں نے کہا کہ سانحہ گوجرہ عیسائیوں نے خود کیا تا کہ توہین مذہب کے قوانین کو ختم کرنے کے لیے موثر جواز پیدا کیا جاسکے.....'' (نوائے انسان، نومبر ۲۰۰۹، صفحہ ۱۵)

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت سترہ روزہ جنگ میں بطور سٹاف آفیسر ہم خود شریک تھے۔ قصور سیکٹر میں ہونے کے سبب کچھ واقعات سے متعلق ہمیں بھی علم ہے۔ ہم مسیحی پائلٹ میسل چودھری کی حب الوطنی اور پاکستان کے لیے قربانی کے

جذبہ کو سلام کرتے ہیں۔ اور بھی بے شمار محبّ وطن مسیحیوں کا نام لیا جا سکتا ہے مگر مسیحی برادری کی ان کالی بھیڑوں کا کیا جائے جو بھارت کے لیے جاسوسی کرتی تھیں۔ رائے ونڈ اور مسیحی سٹیٹ کلارک آباد سے چند وطن دشمن بھارتی مقاصد کی تکمیل کر رہے تھے مثلاً کلارک آباد میں اس وقت کے پادری صاحب اور ہیڈ ماسٹر صاحب کی سرگرمیاں قابل اعتراض تھیں۔ رائے ونڈ سٹیشن پر کھڑی ٹرینوں پر حملوں کی راہنمائی کے لیے یہی کالی بھیڑیں ذمہ دار تھیں جو بھارتی جاسوسوں کو بھی چھتری فراہم کر رہی تھیں۔ سانحہ گوجرہ کے متعلق اگر وہاں کی مذہبی جماعتوں نے یہ کہا تو یہ کچھ غلط بھی نہیں کہ مسیحی برادری بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ ایسے اشتعال کے لیے جواز پیدا کرنے میں مہارت تامہ رکھتی ہے۔ یہ مسیحی برادری پاکستانی ہو یا غیر پاکستانی مثلاً چند مثالیں سامنے لاتے ہیں:

☆ نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کارٹون بنانے، شائع کرنے اور پوری دنیا کے پرنٹ میڈیا کے ذریعے پھیلانے کے والے کون تھے؟

☆ مکہ مکرمہ مسلمانوں کا مقدس مرکز ہے، برطانیہ میں بیشتر بار کلبوں کا نام مکہ رکھتے ذرہ بھر شرم محسوس نہیں کی گئی۔ اس پر ہمارا احتجاج ریکارڈ پر ہے۔

☆ بائبل کورس کے نام پر مسلمان گھرانوں میں بذریعہ ڈاک ارسال کیے جانے والے لٹریچر کے ساتھ خط کی تحریر اشتعال انگیز ہے مثلاً (خدا باپ سے یسوع نام میں دعا کیجئے کہ آپ کے نام یہ نادر پارسل کوئی دشمن گم نہ کر دے) (یہ دشمن کون ہوسکتا ہے) (فقط آپ سے التماس کی جاتی ہے کہ ''شر پسند مسلمانوں سے'' ادارہ کتب احتیاط سے رکھی جاسکیں) (شر پسند مسلمان کس قدر مہذب لفظ ہے) (لرکلر لیٹر کو بے حد احتیاط سے پڑھیں تا کہ آپ حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر ''ہر خطرہ سے بچ کر'' یسوع مسیح کی بابت حقیقت صداقت جان سکیں) (گدوے سٹورز)

☆ سہ ماہی خبر نامہ لاہور نے مسلمانوں کے مذہبی راہنماؤں قاضی حسین احمد، مولانا فضل الرحمٰن، مولانا سمیع الحق اور مولانا نیازیؒ کے توہین آمیز کارٹون شائع کیے۔

☆ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی مسلم اکثریت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ کہا گیا کہ اسلام جھوٹا مذہب ہے۔ یہ سرکلر امریکہ میں چھپا، پاکستان میں تقسیم ہوا:

" Islam the false Gosple:"For momy years Islam has been regerd as "False Gospel" and Christions have soughl to the only teue and loving God by accepting Christionity.To day there are over me billion muslims.All unoaved ,

going straight to hell ,all because they neek reconcile and identi Allah is no God at all."(Luckhoo Minelis P.O.BO.885188 Dallas USA)

مذکورہ اقتباسات کو خصوصاً آخری بہ زبان انگریزی کو اور پھر امتیازی سلوک کے خاتمے کے داعی جاوید نذیر سے پوچھئے کہ کیا یہ سطور پڑھ کر اشتعال دلانے والے زبان گدی سے کھینچ لینے کو جی چاہتا۔ اس کے باوجود مسیحی ہرزہ سرائی پر نہ مسلمان مشتعل ہوں اور نہ قانون حرکت میں آئے تو بھی امتیازی سلوک اور امتیازی قانون کا طعنہ دیا جائے۔ جاوید نذیر صاحب نے اپنے مضمون میں ''ظلم وستم'' کی ایک طویل فہرست دی ہے مگر ہو بھول گئے کہ ان میں سے سبھی کی بنیاد خود مسیحی برادری نے رکھی تھی مثلاً مری یا پنڈی کے چرچ جلانے میں مسیحی نوجوان ملوث تھے۔ پورے اعتماد سے کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں اقلیتیں تمام تر عزت وفوائد کے باوجود ناشکری کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں اور یہ سب غیر ملکی آقاؤں کی خواہشات یا ایجنڈے کی تکمیل کے لیے ہے۔

ہم جناب جاوید نذیر صاحب کو مشورہ دیں گے کہ وہ اظہارِ خیال کرتے پیش کیے جانے والے تائیدی دلائل کو چھان پھٹک لیا کریں۔ بودی اور غیر ثقہ باتیں جگ ہنسائی کا سبب بنتی ہیں جیسی ان کی موجودہ تحریر جس سے چند اقتباسات نظر قارئین کیے ہیں۔ وماعلینا الا البلاغ۔

قارئین متوجہ ہوں

قارئین کی طرف سے اکثر یہ شکایت موصول ہوتی ہے کہ ہمیں سالانہ چندہ ختم ہونے کی کوئی اطلاع نہیں ملی اور رسالہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس شکایت کے ازالے اور قارئین کی سہولت کے لیے لفافے پر پتا کے اوپر مدت خریداری درج کر دی گئی ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ درج شدہ مدت کے مطابق اپنا سالانہ چندہ ارسال کر کے اگلے سال کی تجدید کرالیں۔ اکثر قارئین کا زرتعاون سالانہ جون ۲۰۱۰ء میں ختم ہو چکا تھا۔ کئی قارئین نے سالانہ چندہ ارسال کر کے نئے سال کی تجدید کرالی ہے۔ جن کا چندہ وصول نہیں ہوا، اس کے باوجود جولائی ۲۰۱۰ء کا شمارہ انھیں بھی ارسال کیا جا رہا ہے۔ براہِ کرم مئی میں ہی اپنا سالانہ زرِتعاون ۲۰۰ روپے ارسال فرما کر نئے سال کے لیے تجدید کرالیں۔ بصورت دیگر آئندہ شمارے کے لیے معذرت! (سرکولیشن منیجر)

''نقیبِ ختم نبوت'' کی ترسیل، شکایات اور دیگر معلومات کے لیے رابطہ نمبر: 0300-7345095

شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

شاہ بلیغ الدینؒ

محفل ختم ہوگئی تو لوگ گھروں کو چلنے کے لیے اٹھے۔

مجمع بڑا تھا۔اس لیے آہستہ آہستہ لوگ اپنی جگہ سے ہٹ رہے تھے۔ بہت سے ایسے بھی تھے جو صاحبِ محفل کو سلام کرنے اور ان سے ہاتھ ملانے کے لیے رکے ہوئے تھے۔ان میں بڑی تعداد ان کے عقیدت مندوں کی تھی اور کچھ قریب کے ملنے والے تھے جو مزاج پرسی کر لینا چاہتے تھے۔

یہ اجتماع سید اسماعیل شہید صاحب کی وجہ سے ہوا تھا۔سید صاحب تحریکِ آزادی کے بہت بڑے مجاہد تھے۔ بالاکوٹ صوبہ سرحد میں حضرت سید احمد شہید کا مزار ہے۔ یہ شاہ اسماعیل شہید کے مرشد اور رہنما تھے۔ان کا اپنا مزار بھی وہیں پاس ہی ہے۔شاہ صاحب بلا کے ذہین اور بے تکان بولنے والے تھے۔اللہ نے علم بھی دیا تھا،عمل بھی اور طلاقتِ لسانی بھی۔

صراطِ مستقیم جیسی کتاب انھوں نے مرتب کی اور ''تقویۃ الایمان'' جیسی کتاب لکھی جو لاکھوں کی تعداد میں بکی۔ ''آثار الصنادید'' کے آخری باب میں سید احمد خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ ہفتہ میں دو دن جمعہ اور منگل کو وہ جامع مسجد دہلی میں تقریر کرتے اور جہاں کسی بھٹکے ہوئے گروہ کی خبر پاتے۔وعظ و نصیحت کے لیے بے تکلف وہاں پہنچ جاتے۔

دل میں ہمیشہ ایک ہی تڑپ رہتی تھی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو لوگوں کو پہنچا دیں۔ ہر مسلمان کو حکم ہے کہ جو علم اسے حاصل ہو وہ دوسروں تک پہنچا دے تا کہ علم پھیلتا رہے۔زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگ دین کی باتیں جاننے لگیں اور اُن کے اخلاق درست ہوں۔

صحابہ کرام، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلوں سے اٹھتے تو دوسروں کو جو محفلوں میں حاضر نہ رہتے اس نشست کی باتیں بتا دیا کرتے تھے۔دین کو پھیلانے اور اخلاق کو درست کرنے کی ذمہ داری ہر مسلمان پر ہے۔ جب تک یہ بات ہمارے ذہنوں میں رہی ہم یہ کام کرتے رہے۔نتیجہ یہ کہ دور دور تک اسلام پھیلا۔جب سے ہم نے اس فریضے کو بھلا دیا، حال یہ ہے کہ بہت سے مسلمان بھی بس نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔دین کی ابتدائی باتیں تک وہ نہیں جانتے۔نہ کوئی دوسرے کو اچھے کام پر ابھارتا ہے، نہ بری بات پر ٹوکتا ہے۔شاہ صاحب کو اس بات کا بڑا احساس تھا۔ جہاں وہ دیکھتے کہ مناسب موقع ہے۔لوگوں کو دین کی باتیں بتانے کھڑے ہو جاتے۔اکثر راستہ چلتے چلتے لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر رک

جاتے اور جتنے لوگ جمع ہوتے، ان سے گفتگو کرنے لگ جاتے۔

جس محفل کا یہ تذکرہ ہے وہ ان کے وعظ کے لیے منعقد ہوئی تھی۔ لوگوں سے مل ملا کر وہ رخصت ہو رہے تھے کہ انھوں نے دیکھا دور سے ایک شخص دوڑتا ہوا ان کی طرف چلا آ رہا ہے۔ وہ شخص قریب آیا تو آپ نے دیکھا آس پاس کے کسی دیہات کا رہنے والا ہے۔ ہانپتا کانپتا وہ ان کے پاس آیا اور خاموش ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ شاہ صاحب نے پوچھا ..... بھائی کیا بات ہے؟ کیوں دوڑے چلے آ رہے ہو؟ .....اس نے بڑے افسوس سے کہا..... جی کیا بتاؤں، بڑا بدقسمت ہوں۔ راستہ بھر دوڑتا ہوا آیا۔ پھر بھی محروم رہا۔

شاہ صاحب نے پوچھا..... کس چیز سے محروم رہے؟ کچھ بتاؤ تو سہی!

اس نے جواب دیا..... جی میں تو آپ کا وعظ سننے آیا تھا۔ وقت ٹھیک سے معلوم نہ تھا۔ یہاں پہنچا تو دیکھا کہ لوگ جا رہے ہیں۔ آپ کا وعظ ختم ہو گیا۔ بس اسی کا افسوس ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا..... اس میں افسوس کی کیا بات ہے، وہی باتیں جو میں ہزاروں کے مجمع کو سنا چکا ہوں تم کو بھی سنا تا ہوں۔ بیٹھ جاؤ! لفظ بلفظ وہی تقریر دہرا دوں گا۔

اس نے بڑے حیرت سے شاہ صاحب کی طرف دیکھا پھر بولا..... مجھ اکیلے کے لیے آپ یہ تکلیف کریں گے؟

فرمایا..... کیوں نہیں! پہلے بھی سب کو سنا کر ایک کو خوش کرنا مقصود تھا۔ اب بھی اسی مالک الملک خالقِ کُل کو خوش کروں گا۔

وہ شخص خوشی خوشی بیٹھ گیا تو شاہ صاحب نے اپنی طویل تقریر اس کے آگے من وعن دہرا دی۔ کچھ نہ پوچھئے کہ خوشی سے اس کا کیا حال ہوا۔

ایک غریب کا دل رکھنا اور اس حسنِ اخلاق سے بڑی بات ہے..... بہت بڑی بات!

(''روشنی''، ص ۲۶ تا ۲۸)

قادیانی تحریک: پس منظر اور پیش منظر

زیڈ اے سلہری

احمدیہ تحریک جسے عرفِ عام میں قادیانی تحریک کہا جاتا ہے کیسے معرضِ وجود میں آئی؟

اس سوال کا جواب اس وقت تک سمجھ میں نہیں آ سکتا جب تک ہم ولیم ہنٹر کی اس رپورٹ کا تفصیلی جائزہ نہ لیں جو انھوں نے ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' کے عنوان سے برطانوی حکومت کو پیش کی تھی اور جس پر ''کیا وہ برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کے مذہباً پابند ہیں'' کا اشتعال انگیز ذیلی عنوان ثبت تھا۔ یہ کتاب رپورٹ ۱۸۷۰ء میں شائع ہوئی۔ وہائٹ ہال میں اس پر گہرا غور وفکر ہوا اور اس رپورٹ کے مندرجات کی اساس پر مسلمانانِ ہند کے متعلق ایک نئی پالیسی اختیار کی گئی۔ ۱۸۸۸ء میں مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ایک ایسی نبوت جس کا مقصد اولیٰ یہ تھا کہ مسلمانوں پر جہاد کی پابندی ختم کی جائے اور انھیں برطانوی حکومت کے زیرِ سایہ امن وامان سے رہنے کی تلقین کی جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس کتاب کا مرزا صاحب کی نبوت سے کیا تعلق ہے؟

''سر ولیم ہنٹر'' کو جو ملکۂ ہند کی حکومت میں ایک اعلیٰ افسر تھے۔ مسلمانوں کے معاندانہ رویہ پر بے حد تشویش تھی جس کا مظاہرہ سید احمد شہید کی ملک گیر تحریک میں ہوا تھا جس نے مسلمانوں کو یہ بات ذہن نشین کرا دی تھی کہ وہ کسی بھی غیر ملکی اور غیر مسلم حکومت کے زیرِ سایہ مسلمان نہیں رہ سکتے اور یہ کہ ہندوستان دارالحرب بن چکا ہے۔ دارالحرب کے اس تصور کے بعد مسلمانوں کے سامنے صرف دو راستے تھے۔

اولاً..... غیر ملکی حکومت کے خلاف جہاد کیا جائے اور ہندوستان کو ایک بار پھر دارالاسلام میں تبدیل کیا جائے جہاں مذہب کا علم لہرایا جائے۔

ثانیاً .....کسی ایسی جگہ ہجرت کی جائے جہاں اسلامی تعلیمات پر بلا روک ٹوک نہ صرف عمل کیا جا سکے بلکہ ان کی توسیع واشاعت بھی ہو سکے۔

اس اندازِ فکر نے مسلمانوں کو جھنجھوڑا اور انہیں ملکۂ ہند کی حکومت کے خلاف اگر عملی طور پر نہیں تو ذہنی طور پر بغاوت کے لیے ابھارا۔

وہابی تحریک جس کے عروج کا علم چالیس برس تک پورے شمال مشرقی اور شمال مغربی ہندوستان پر لہراتا رہا اس وقت

برطانوی حکومت کے جور واستبداد کا نشانہ بنی ہوئی تھی لیکن سر ولیم کے نقطۂ نظر میں یہ جسمانی جبر وایذا مسلمانوں کے مسئلہ کا مناسب اور دیرپا حل نہیں تھا۔ اس کے نزدیک اصل حل یہ تھا کہ مسلمان عقیدۃً برطانوی حکومت کا سایہ قبول کرلیں یا کم از کم اسلامی تعلیمات کی توضیح وتشریح اس انداز سے نہ کریں جس سے انگریزی حکومت کے خلاف دشمنی اور نفرت کے جذبات ابھریں۔

یہ کیسے ہو؟ ظاہر ہے کہ اس کا ایک ہی حل تھا کہ مسلمانوں کے دل ودماغ سے جہاد اور غیر ملکی سامراج کے خلاف بغاوت کا جذبہ نکال دیا جائے لیکن مسلمان کی عام رائے اس قسم کی مفاہمت کے لیے تیار نہیں تھی۔

احمدیہ تحریک کے ایک سرسری جائزے سے ہی یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ اس تحریک کا مقصد عظیم اسلامیانِ ہند کے دلوں میں برطانوی حکومت کے لیے صلح وآشتی کا وہ جذبہ پیدا کرنا تھا جس کی سر ولیم کو آرزو تھی۔ چنانچہ مرزا غلام احمد کی تعلیمات میں جہاد کو منسوخ کردیا گیا اور آیت ''**اولو الامر منکم**'' کا مطلب یوں ڈھالا گیا کہ ''**اولو الامر**'' سے مراد برسرِ اقتدار حکومت ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم اس لیے ''عامۃ المسلمین کا یہ سمجھنا کہ احمدی انگریز کا خود کاشتہ پودا ہیں بلاوجہ نہیں تھا'' اور احمدی رہنماؤں کے مسلسل فخریہ اعلانات نے کہ انگریزوں کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات ہیں اس تأثر میں اور وزن پیدا کردیا۔ یہ بات عام تھی کہ انگریز سرکاری ملازمتوں میں احمدیوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ:

> ''وائسرائے کی ایگزیکٹو میں ایک ممبر کی حیثیت سے سر ظفر اللہ کا تقرر اس کی ذاتی قابلیت سے زیادہ اسی حقیقت کی وجہ سے تھا۔''

یہ پس منظر اسی احمدیہ تحریک کے متعلق مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے کافی تھا مسلمان جو اپنے زوال اور اپنی تہذیب کی جگہ مغربی تہذیب کے آجانے سے بے حد مضطرب تھے۔ برتریٔ تہذیب کا یہ احساس اتنا شدید تھا کہ وہ بجا طور پر یہ سمجھنے لگے کہ مغربی تہذیب صرف اسی صورت میں یہاں قدم جما سکتی ہے کہ مسلمانوں کے طریقۂ تعلیم کو نیست ونابود کردیا جائے۔ سر ولیم ہنٹر کی کتاب اس حقیقت اور خاص طور پر مسلمانانِ بنگال کی صورت حالات کی غماز ہے۔

تاہم جس چیز نے مسلمانوں کے دلوں میں احمدیت کے خلاف انتہائی نفرت اور دشمنی پیدا کردی وہ یہ تھی کہ مرزا صاحب نے اپنی تحریک اور مشن کی اساس ختم نبوت کے مسلّمہ عقیدہ کی قطعی تنقیص پر رکھی۔ یہ بات تو خیر قرینِ قیاس ہے کہ ایک نئے عقیدے کے عنوان سے ایک نئی نبوت کی بنیاد رکھی جائے جیسا کہ بہاء اللہ نے کیا۔ لیکن اسلام میں ایک نئی نبوت کا دروازہ کھولنا اسلام کی بنیادی قدروں کے لیے خطرناک طور پر تباہ کن ہے اور اگر اس بات کی سند مل جائے کہ کسی کلمہ گو کو کافر کہا جاسکتا ہے تو:

> ''دائرۂ اسلام میں احمدیوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ احمدی رسول اللہ پر ایمان لاکر مسلمان نہیں ہوجاتے جس طرح عیسائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مان کر یہودی نہیں ہوجاتے یا خود مسلمان حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ پر ایمان رکھ کر عیسائی یا یہودی نہیں بن جاتے۔''

یہ ختمِ نبوت کا عقیدہ ہی تو ہے جس پر مسلمان ایک امت کی حیثیت سے منسلک اور منظّم ہیں۔ ختمِ نبوت کا تصور جسے

واضح اور غیر مبہم الفاظ میں قرآن مجید میں بیان کر دیا گیا ہے اس نفی سے اجماعِ امت کی بنیادیں متزلزل ہو کر رہ جاتی ہیں۔

علاوہ ازیں ختمِ نبوت کا تصور محض رسول اللہ کی عظمت کا اعتراف ہی نہیں بلکہ یہ عقیدہ قرآنی نقطۂ نظر سے انسانیت کے ارتقاء کے بنیادی اصولوں کا جزوِ لاینفک ہے۔ اور اسے علامہ اقبالؒ نے اپنے لیکچرز میں خوب واضح کیا ہے۔ علامہ کی نگاہ میں ختمِ نبوت انسان کی تکمیل کا نشان ہے جسے قرآن کے ذریعہ وہ تمام ہدایات عطا کر دیں جن کی اسے اپنی روحانی اور مادی ترقی کے لیے ضرورت ہو سکتی تھی اور اسے اپنی قسمت خود تعمیر کرنے کا مختار بنایا گیا۔ قرآن نے اپنی ذمہ داریوں کا پُرزور اعتراف کیا ہے۔ خدا نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار کہا: اے رسول! کہہ دے کہ اگر میں چاہتا تو دنیا میں کوئی کافر نہ ہوتا لیکن یہ انسان کے منصبِ اختیار کے خلاف ہوتا۔ اس لیے اسے فرمانِ خداوندی کے قبول یا رد کرنے میں اختیار دیا گیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کو ایمان لانے کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ دین مکمل ہو جانے کے بعد ''**اتممت علیکم نعمتی**'' انسانیت کو خدائے برتر کے مقاصد کو اپنی سعی و کوشش کے مطابق پورا کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

اس بحث کی روشنی میں مرزا صاحب کے مشن میں کوئی جان نہیں اور ان کے پیرو کار امتِ مسلمہ میں شمار ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ تاہم یہ بات تحقیق طلب ہے کہ مرزا صاحب کو اپنے مشن میں اتنی بڑی کامیابی کیسے ہوئی۔ دراصل اس کے اسباب ان حالات کی پیداوار ہیں جن میں انھوں نے کام کیا۔ برطانوی حکومت کی مذہبی رواداری کی پالیسی کا مطلب ہر قسم کے مذہبی اور فرقہ وارانہ مناقشات کے لیے صلائے عام تھا۔ مسلمانوں کا شیرازہ پہلے ہی بکھر چکا تھا جب کہ ان کے طریقہ ہائے تعلیم اور قوانینِ تعزیر سے جس نے انہیں مجلسی، مذہبی اور قانونی طور پر ایک لڑی میں منسلک کر رکھا تھا ختم کر دیئے گئے اور اس طرح مذہبی تعلیمات اور ان کی تشریح و توضیح کا کام ان جاہل علماء کے ہاتھوں میں چلا گیا جو ان کے ساتھ کھیلنے لگے۔

اس کے برعکس عیسائی مشن اور آریہ سماج جیسے انقلابی ہندو اسلام پر رکیک حملے کر رہے تھے کہ جنگِ آزادی میں شکست کھا جانے کے بعد مسلمانوں کی زندگی کا یہ کمزور ترین پہلو سمجھا جاتا تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس تثلیثی کش مکش کی قوتیں نابرابر تھیں۔ ایک طرف روپیہ اور تعلیم تھے تو دوسری طرف تعلیم کی کمی اور تنظیم کا فقدان۔ اس کش مکش میں مسلمان پستے چلے گئے۔ ان حالات میں مرزا صاحب نے اسلام کی طرف داری کا بہروپ اختیار کیا۔ فریب خوردہ عوام نے سراہا تو مرزا صاحب مطلق العنان لیڈر شپ کے خواب دیکھنے لگے۔

اس کامیابی کے ساتھ برطانوی حکومت کی ضرورت بھی ابھری کہ حکومت اور مسلمانوں کے درمیان مفاہمت کی راہ پیدا کی جائے لیکن یہ مفاہمت جہاد اور دارالحرب کے تصورات کو ختم کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ ان خطوط پر پہلے بھی کوشش کرائی جا چکی تھی۔ بعض مدرسۂ فکر کے رہنما غیر ملکی حکومت کے ساتھ صلح و آشتی سے رہنے کا اعلان کر چکے تھے لیکن یہ کوششیں مسلمانوں میں قبولیتِ عامہ حاصل نہ کر سکیں۔ مرزا صاحب کی اپنی بڑھتی ہوئی آرزو کے ساتھ ساتھ انگریز کی ضرورت تھی جس نے انہیں نبوت جیسے بلند مقام پر ہاتھ مارنے کے لیے ابھارا۔ سمجھا یہ گیا کہ ان تصورات اور عقائد کی

تنقیص کے لیے جن کا مأخذ وحی اور الہام ہو ایک اوتار اور نبی ہی کی ضرورت ہے۔ یہ کام خاصا نازک ہی نہیں مشکل بھی تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مرزا صاحب نے ایک نبوی جوش وخروش سے جہاد کے تصور کی نفی اور انگریز کی وفاداری کے لیے بے پناہ کام کیا۔ گویا مسلمان مذہبی راہنماؤں کی کمزوری اور برطانوی حکومت کی اس ضرورت نے کہ ہندوستان میں جسے انھوں نے مسلمانوں سے ہی چھینا تھا ایک مضبوط حکومت کے لیے موافق حالات پیدا کیے جائیں۔ مرزا صاحب کے مشن کو جنم دیا۔

لیکن یہ بات حیران کن ہے کہ احمدی جماعت نشونما پاتی رہی۔ حالانکہ وہ خوشگوار حالات جن میں اس جماعت کی تخلیق اور پرورش ہوئی اور تمام تصورات دن کی روشنی کی طرح واضح ہو چکے اور علم کا نور پھیل چکا تھا جس کا مظاہرا اقبالؒ کے لافانی کلام میں ہوا ہے۔ لیکن مسلمانوں کی تقدیر ایک اور پلٹا کھا چکی ہے۔ برصغیر کی تقسیم کے بعد احمدی تحریک ایک متروک اور مہمل تحریک ہو چکی ہے۔

غیر موافق حالات کے باوجود اس جماعت کی تنظیم کا سبب برسرِ اقتدار خاندان کے ذاتی مفادات ہیں جس کے مختلف حصے پروپیگنڈہ اور تنظیم کے کام میں مصروف ہیں اور شاید سب سے بڑا سبب اس گروہ کے افراد میں تعاونِ باہمی کا جذبہ ہے۔ جس طرح کہ اس جماعت کی ممبر شپ باہمی تحفظ اور یقین کی ضمانت ہو جاتی ہے لیکن اس جماعت کی مضبوطی کا انحصار پاکستان میں اس کی تنظیم پر نہیں۔ آزادی کا آفتاب طلوع ہونے کے بعد بہت کم لوگ ایسے ہیں جنھوں نے مرزائیت قبول کی لیکن کھلم کھلا علیحدگی اور افتراق کے بے شمار واقعات ظہور پذیر ہو چکے ہیں۔ اب جماعت صرف اپنے بیرونِ ملک اور خاص طور پر افریقہ کے بعض حصوں میں جہاں لوگ اسلام کی آواز پر لبیک کہنے کے لیے ہر وقت گوش برآواز رہتے ہیں اپنے پروپیگنڈہ کے سہارے زندہ ہیں۔ ربوہ میں صرف جماعت کا صدر مقام ہے لیکن اس سارے اثر ورسوخ کا دار ومدار بیرونِ ملک کے کام پر ہے۔ اس جماعت کی پوزیشن کا صحیح جائزہ لینے کے لیے اس کام کے اس پہلو پر نگاہ رکھنا بے حد ضروری ہے۔

الحمدللہ تحریک تحفظِ ختمِ نبوت شعبۂ تبلیغ مجلس احرار اسلام پاکستان اندرون و بیرون ملک مرزائیت کے محاسبہ وتعاقب میں سرگرمِ عمل ہیں۔

مرزائیت: انگریز کی ضرورت:

مسلمانوں نے نہ صرف انگریزوں کا غیظ وغضب برداشت کیا بلکہ انھوں نے اپنے طور پر مغربی تہذیب کو ناقابل قبول گردانا اور انگریزی تعلیم کا بائیکاٹ کیا۔ متزاد مسلمانوں نے برصغیر کو دار الحرب قرار دیا جس کا مطلب تھا کہ انھوں نے انگریز کی حکومت تسلیم نہ کی اور باغیوں کا کردار اپنایا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی مسلمانوں کے اسی کردار کا نتیجہ تھی جس کی پاداش میں وہ ایسے عذاب سے گزرے جس کا بہت کم قوتوں کا سامنا ہوا ہے۔ کوئی مسلمان قابل اعتبار نہ سمجھا جاتا تھا کہ انگریز کہتے تھے کہ اس کی سرشت میں بغاوت ہے۔ سخت سے سخت سزاؤں کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کی کوشش تھی کہ وہ مسلمانوں کو باور کرا سکیں کہ وہ ایک غیر مسلم حکومت کے تحت بھی مسلمان کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ انگریزوں کے تلے بھی

برصغیر دارالسلام ہے۔ چنانچہ اس نکتے کو مسلمانوں کے اذہان وقلوب میں اتارنے کے لیے بڑے بڑے دینی بزرگوں کے فتوے شائع کیے گئے لیکن مسلمان جمہور اپنی بات پر اڑا رہا کہ مسلمانوں کی حکومت کے اختتام کے بعد برصغیر دارالحرب بن گیا ہے۔ اسی نکتے کو منوانے کے لیے بالآخر انگریزوں کو نعوذ باللہ ایک ''نبی'' کو ''نازل'' کرنا پڑا کہ انھیں سوجھا کہ جو بات مفتیوں اور مولاناؤں کی سطح پر قابل قبول نہ ہوئی شاید وہ ''نبوت'' کی سطح پر قابل تسلیم ہو جائے۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے اپنے اس ''الہام'' کا انکشاف کیا کہ جہاد ''حرام'' ہو چکا ہے اور اس نے کہا:

اب چھوڑ دو اے دوستو جہاد کا خیال
دیں کے لیے حرام ہے جنگ و قتال

اور یہی انگریزوں کا مقصد تھا کہ مسلمان جہاد کے جذبے سے عاری ہو کر امن پسندانہ طور پر انگریزوں کے تابع ہو جائیں۔ قادیانیت کا بیج بو کر انگریز کو یہ فائدہ ضرور ہوا کہ برصغیر میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی جو ''اولوالامر'' کے اتباع کے بارے میں قرآنی نص کو ''حاکم وقت'' انگریزوں پر اطلاق کرتی اور انگریزوں کی وفاداری کا دم بھرتی تھی۔ انگریزوں کے زمانے میں قادیانیوں کے لیے یہ امر ہمیشہ باعث افتخار رہا کہ حکومت ان پر اعتماد اور انحصار کرتی ہے۔ وائسرائے نے چودھری ظفر اللہ خان کو بتیس سال کی عمر میں پنجاب ہائیکورٹ میں صرف آٹھ سال کی پریکٹس کے بعد مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے اپنی کونسل کا ممبر مقرر کر دیا۔ ظفر اللہ خان نابغۂ روزگار نہ تھے کہ یہ ترقی ان کی غیر معمولی لیاقت کا تقاضا تھی۔ اس تقرری کا محض یہ مطلب تھا کہ اس طرح مسلمانوں کی نمائندگی کا مسئلہ بھی طے ہو گیا اور انگریزوں کو اپنی پسند کا آدمی مل گیا۔ اسی ناانصافی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک غیر مسلم فرقہ قرار دینے کا مطالبہ کیا۔

قادیانیت کی افزائش کا مقصد وحید حاکم وقت یعنی انگریزوں کی حکومت کو نعوذ باللہ جانب من اللہ ثابت کرنا تھا۔ قادیانی مسلمان جمہور سے گھبراتے تھے اور اسی لیے وہ برصغیر کی تقسیم کے حق میں نہ تھے کہ پھر پاکستان میں انھیں اپنے اردگرد مسلمان ہی مسلمان نظر آتے، مسلمانوں سے قلبی و ذہنی بعد ہی انھیں اپنا ہیڈ کوارٹر ربوہ سے لندن منتقل کرانے کا موجب بنا۔ قادیانیت ایسا مذہب ہے جو اپنے پیروؤں کو غیر مسلمانوں کی غلامی پر مائل کرنے کے آلہ کار کا کام دیتا ہے اور وہ یہی کام ہندوستان میں کر رہا ہوگا اور ہندوؤں کے نزدیک بہت مقبول و معزز ہوگا۔ روسیوں کو قادیانیوں کی ''خوبیوں'' کا ادراک ہو تو وہ ضرور انھیں وسط ایشیاء کے مسلمان مملکتوں میں درآمد کریں تاکہ وہاں مسلم باشندوں کے دلوں میں ماسکو کی غلامی کی خو کو راسخ کر سکیں۔

قادیانی گروہ کی لندن بسوں پر اشتہاری مہم

مولانا سہیل باوا (لندن)

قادیانیوں نے پورے برطانیہ اور پوری دنیا میں خود کو مسلمان کہلوانے کے علاوہ قادیانیت کو فروغ دینے کے لیے ایک بار پھر اپنی تبلیغی سرگرمیاں اچانک تیز کر دی ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ برطانیہ میں قادیانی گروہ نے بسوں پر اشتہاری مہم اور گھر گھر خطوط اور دعوتی پیغامات کا سلسلہ شروع کیا، بعض بے روزگار اور حالات کے ستائے ہوئے پاکستانی نوجوان طلبہ قادیانیوں کے لیے لقمہ تر ہیں۔ قادیانی پریشان حال نوجوانوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور جب بھی موقع ملتا ہے تو ان کو انتہائی چالاکی کے ساتھ اپنے دام میں پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔ قادیانی گروہ کے نام نہاد خلیفہ کے اعلان کے مطابق کی مسلمانوں کو پوری دنیا میں قادیانی بنانے کی اس سال سب سے بڑی مہم ہے۔ اس وقت برطانیہ میں قادیانی اشتہاری مہم کو کامیاب کرانے میں ختم نبوت کے باغی اور قادیانیوں کی کمر کو مضبوط کرنے والی بدنام زمانہ مشروب ساز فیکٹری شیزان قادیانی نبوت کا اقتصادی یونٹ اور دیگر مصنوعات پیش پیش ہے۔ یہ کمپنیاں کم قیمت میں اپنی مصنوعات بیچ کر جھوٹی نبوت کی گاڑی کے لیے پیٹرول فراہم کرتی ہیں۔ شہر کراچی بھی پچھلے دو سال سے قادیانیوں کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا ہے اور قادیانیوں کی یہ نئی حکمت عملی سامنے آئی ہے کہ قادیانی گروہ کی خواتین تنظیم لجنہ اماء اللہ کی صدر کراچی امۃ الباری ناصر، ثمینا منصور 1 and 10 Saddar-e-sector، Saddar North Karachi کی رخسانہ ظہیر، فرحت Secratry Chanda Membary خواتین میں کام کو وسعت دینے کے لیے شہر بھر میں نہایت فعال کردار ادا کر رہی ہیں۔ آپ کو کچھ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مسئلہ کی نوعیت کیا ہے اور معاملات کہاں تک پہنچ چکے ہیں؟ پیشتر حضرات یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں تو ان باتوں کا علم ہی نہیں لیکن ان حضرات کا نہ جاننا بھی ہماری ذمہ داری ہے؟ کیا یہ بھی ہمارا قصور ہے؟ قابل افسوس امر تو یہ ہے کہ اب بھی پاکستان میں رہتے ہوئے وہ ان امور سے واقف نہیں ہیں۔ میرا ان سے التماس ہے کہ خدا کے لیے آنکھیں کھولیے اور اپنی ذمہ داری کا احساس کیجیے۔ راقم نے جب اپنے پچھلے کالم میں کراچی میں قادیانیوں کی غیر آئینی سرگرمیوں کی نشاندہی کی تو فون آنے لگے۔ موصوف اپنے آپ کو پاکستان کی کسی ایجنسی سے وابستہ بتاتے ہیں۔ آئندہ بھی ہم حکومت کو یاد دہانی کرواتے رہیں گے۔ ہوسکتا ہے ارباب حکومت اپنی ایجنسیوں سے بے خبر ہوں۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ ان ایجنسیوں کو لگام ڈالے۔ ہماری تحریک ختم نبوت کم و بیش ایک صدی سے جاری ہے۔

پاکستان میں کئی حکومتیں آئیں اور چلی گئیں۔ الحمدللہ ہماری تحریک رواں دواں ہے۔ قادیانیوں کی موجودہ شرانگیزی میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے مگر تحفظ ختم نبوت کا دم بھرنے والے ہمارے علماء کرام ہاتھ پر ہاتھ رکھے کسی معجزہ کے منتظر ہیں۔ معلوم نہیں ہماری غیرت وحمیت کب جاگے گی؟ نبی آخر الزماں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرمٹنے کا دعویٰ کر کے سیاست کی روٹی سیکنے والے عشاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا ہے، ان کی بولتی بند ہے۔ ان عاشقان کی بے حسی کا یہی حشر رہا تو رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام و پاکستان کے بدترین دشمن قادیانی اپنے زہریلے تیر سے ہمارے جسم وروح کو چھلنی کرتے رہیں گے اور اس اہم فریضہ سے ہماری عدم توجہی و بے اعتنائی پر زمانہ ہنسے گا۔ ایک دور تھا عقیدہ تحفظ ختم نبوت کا کام کرنے والی جماعتیں کم تھیں لیکن ان حضرات نے اپنی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ نبھایا۔ ختم نبوت کا عقیدہ رکھنا الگ بات اور ذمہ داری الگ بات ہے، عقیدہ پر ہم قائم ہیں، لیکن ذمہ داری کے ضمن میں ہم اپنا کردار خوش اسلوبی سے ادا نہیں کر رہے ہیں۔ راقم قادیانیوں کی ایک اور گستاخی اور شرانگیزی کا پردہ فاش کرنے سے قبل قارئین کو بتادے کہ امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ جماعت جن کو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس اور محترم لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کائنات میں انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے معزز ومکرم ہیں۔ اس مقام ومرتبہ تک نہ کوئی پہنچ سکا ہے اور نہ ہی کوئی پہنچ سکتا ہے۔

> ''صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے بعد آنے والے تمام ہی (طبقوں) سے افضل ہیں۔'' ان اصحاب رسول اللہ میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درجہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اس امت میں نبی کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات سے متعلق یہ روایت کافی مشہور ہے کہ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: یارسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بہت غمزدہ ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں تک آواز نہیں پہنچ سکے گی یا لوگ ان کی آواز نہ سن سکیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار بھی یہی حکم دیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئیں اور کہنے لگیں کہ تم ذرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بہت غمزدہ ہیں۔ اگر آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگ ان کی آواز نہ سن سکیں گے۔ اس لیے آپ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیتے تو ٹھیک تھا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تجویز کو دہرایا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناراضی کا اظہار فرمایا اور کہا تم سب کی سب یوسف کی ساتھی ہو (برادران

یوسف علیہ السلام) پھر تیسری مرتبہ فرمایا: ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے افضل سمجھتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت موجود ہے'' ہم لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر یا مقابل کسی اور کو نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بعد دیگر صحابہ کرام۔ یہی عقیدہ امت مسلمہ کا ہے۔ مگر قادیانیوں کی جرأت دیکھیں کہ انھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھیوں کو صحابہ لکھنا شروع کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں قادیانیوں کی سالانہ تقریب سے متعلق جو اشتہار شائع ہوا ہے اس کو بطور نمونہ دیکھا جا سکتا ہے۔

یہ اشتہار ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ دسمبر ۲۰۰۹ء کو قادیان میں ہونے والے پروگرام کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ پروگرام کی فہرست ۸ پر یہ عبارت تحریر ہے۔

''سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم (سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وسیدنا حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ)''

قادیانیوں کی اس ذلیل ترین حرکت پر کسی بھی اہل ایمان کا خون کھول اُٹھے گا۔ مرزائیوں کے باطل عقیدہ سے عامۃ المسلمین کو باخبر نہ کرنا اور اسے یوں ہی نظر انداز کر دینا اپنی ذمہ داری سے راہ فرار اختیار کرنے کے مترادف ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ حکیم نورالدین کا نام لکھ کر قادیانیوں نے جو پیغام دیا ہے اس پر تمام امت مسلمہ کے علماء و دانشوران کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کیونکہ بسا اوقات جن باتوں کو ہم مصلحت سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں وہ باتیں کبھی کبھی خطرناک مسئلہ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مقام و مرتبہ ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود نبی کریم کا ارشاد ہے:

> ''جو میرے صحابہ سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ گویا مجھ سے بغض رکھتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت کرے اور یہ ایمان والوں کے لیے ممکن نہیں کہ ان سے محبت نہ کرے۔''

قادیانی اپنے باطل عقیدہ کے تحت اپنے دین و مذہب کا نام الگ رکھ لیں اور دیگر مذاہب کی طرح اس گمراہ کن مذہب (فتنہ قادیانی) کی تشہیر کریں تو کسی کو بھی اعتراض کا حق حاصل نہیں ہوگا مگر اسلامی اصطلاحات کا استعمال قادیانیت کی تبلیغ کے لیے ہو یہ قطعی ناقابل برداشت ہے۔ چونکہ قادیانی پاکستان اور مسلم امہ دونوں کے غدار ہیں۔ اس لیے ہم مرزائیوں کی اسلام اور انسانیت مخالف سرگرمیوں کو ہرگز کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

اقبال اور قادیانیت

ڈاکٹر ایوب صابر

انسان کے اختیار میں سب کچھ نہیں ہے۔ کبھی اس کی آنکھ کا پردہ پرِ کاہ کی طرح بے نور ہو سکتا ہے اور کبھی توفیقِ ایزدی کے باعث وہ اِس جہان اور اُس جہان پر بیک وقت نگاہ ڈال سکتا ہے۔ ''زبورِ عجم'' کی ابتدا میں اقبال نے یہ نکتہ بیان کیا ہے:

می شود پردۂ چشم پرِ کاہے گاہے
دیدہ ام ہر دو جہاں را بنگاہے گاہے

اقبال ہندی وطنی قومیت کے علم بردار تھے اور چند برسوں کے دوران اس کی حمایت اور اس کے فروغ کے لیے متعدد پر تاثیر نظمیں لکھی تھیں لیکن جلد ہی اسے ترک کر کے اسلامی قومیت کے نقیب بن گئے۔ اسی طرح وحدت الوجود کے خلافِ اسلام نظریے کو ترک کرنے کے لیے اقبال نے زیادہ وقت نہ لیا لیکن قادیانیت کا مسئلہ مدتوں تک ان کی خاص توجہ کا مرکز نہ بن سکا اور ایک صحیح فیصلے تک پہنچنے کے لیے انھوں نے بہت عرصہ لیا۔ اگرچہ اقبال ابتدا سے عقیدۂ ختمِ نبوت اور تصوّرِ جہاد کے علم بردار تھے اور مسیح موعود بلکہ مجدد کے تصوّر کو بھی نہیں مانتے تھے لیکن قادیانیت کا بنظرِ غائر مطالعہ نہ کرنے کے سبب عرصے تک مرزائیوں کو مسلمانوں کا فرقہ سمجھتے رہے۔ اور جب اس مسئلے پر غور کرنے کے اسباب جمع ہوئے تو اقبال نے مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ اب اقبال پر دو طرح کے اعتراضات وارد ہوئے۔ بعض اقبال مخالف مسلمانوں اور غیر مسلموں نے اس بات کو اچھالا کہ اقبال قادیانیت کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ دوسری طرف مرزائیوں نے اعتراض کیا کہ اقبال نے ۱۹۳۵ء میں انھیں غیر مسلم کیوں قرار دیا جبکہ اس سے پہلے ان کا قادیانیت سے ''گہرا تعلق'' تھا اور ۱۹۳۵ء تک وہ انھیں مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھتے تھے۔

کشمیر کمیٹی ۱۹۳۱ء میں قائم ہوئی۔ اس کے سربراہ امامِ جماعتِ احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود تھے۔ اقبال کو اس کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے مرزائیوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا تو وہ ان کے مخصوص رویے، عقیدے اور عزائم سے واقف ہوئے۔ احرار اور قادیان کی باہمی آویزش کے باعث قادیانی مسئلہ اہمیت اختیار کر گیا، چنانچہ اس وجہ سے بھی اقبال کو اس طرف توجہ مبذول کرنا پڑی۔ اقبال نے قادیانیت کا بنظرِ غائر جائزہ لیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ مرزائی مسلمان نہیں ہیں اور جب گورنر پنجاب نے انجمنِ حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں مسلمانوں کے باہمی افتراق اور قیادت کے فقدان پر افسوس ظاہر کیا اور مسلمانوں کو رواداری کا مشورہ دیا تو مئی ۱۹۳۵ء میں اقبال کا قادیانیت کے خلاف پہلا مضمون شائع ہوا۔[۱] اس مضمون کا منظرِ عام پر آنا تھا کہ قادیانیوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور وہ اقبال شکنی کی کوششوں میں لگ گئے۔

اس مضمون میں اقبال نے وضاحت کی کہ مسلمانوں کی وحدت صرف دینی تصور پر استوار ہے اور مسلم معاشرے کو ختمِ نبوت کا عقیدہ ہی سالمیت کا تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اگر ان میں کوئی ایسا گروہ پیدا ہو جو اپنی اساس ایک نئی نبوت پر رکھے اور بزعمِ خود اپنے الہامات پر اعتقاد نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے، مسلمان اسے اسلام کی وحدت کے لیے خطرہ تصور کرے گا۔ اگر کسی قوم کی وحدت کو خطرہ لاحق ہو تو اس کے لیے اس کے سوا اور چارۂ کار نہیں رہتا کہ وہ معاندانہ قوتوں کے خلاف اپنی مدافعت کرے۔ پھر کیا یہ مناسب ہے کہ اصل جماعت کو رواداری کی تلقین کی جائے جبکہ اس کی وحدت خطرے میں ہو اور باغی گروہ کو تبلیغ کی پوری آزادی ہو اگرچہ وہ تبلیغ جھوٹ اور دشنام سے لبریز ہو۔

چند روز بعد اقبال نے لکھا کہ میں نے حکومت کو یہ مشورہ نہیں دیا کہ وہ قادیانی تحریک کا بہ جبر انسداد کرے۔ میری رائے میں حکومت کے لیے بہترین طریقِ کار یہ ہوگا کہ وہ قادیانیوں کو ایک الگ جماعت تسلیم کرے۔ یہ قادیانیوں کی پالیسی کے عین مطابق ہوگا اور مسلمان ان سے ویسی ہی رواداری سے کام لے گا جیسے وہ باقی مذاہب کے معاملے میں اختیار کرتا ہے۔[۲]

اس سے پہلے ۱۹۳۴ء میں مجلس احرارِ اسلام کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی ''آل انڈیا احرار کانفرنس'' میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ ہو چکا تھا۔[۳] علامہ اقبال کی تجویز ہر اعتبار سے مبنی بر انصاف تھی لیکن اس کا سخت ردِعمل ہوا جو ابھی تک جاری ہے۔ مرزائی خود تو مسلمانوں کو کافر سمجھتے تھے لیکن مسلمانوں نے انھیں غیر مسلم قرار دیا تو انھیں یہ بات ناگوار گزری، چنانچہ علامہ اقبال پر اعتراضات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس ضمن میں متعدد مضامین روزنامہ ''الفضل'' میں شائع ہوئے۔ قادیانی جماعت کے امام نے بنیادی اعتراض یہ اٹھایا کہ ۱۹۳۵ء سے پہلے ڈاکٹر سر اقبال احمدیوں کو مسلمان سمجھتے تھے۔ اب کیوں انھیں محسوس ہوا کہ احمدیوں کو الگ کر دینا چاہیے۔ لاہوری جماعت کے سربراہ نے ایک انگریزی رسالہ شائع کیا جس میں یہ موقف اختیار کیا کہ مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ موصوف نے اقبال کے اس بیان پر سخت تنقید کی کہ امام منتظر کا تصور مجوسی مذاہب کے ساتھ مخصوص ہے۔[۴] بقول سید نذیر نیازی ہفتہ وار اخبار ''لائٹ'' نے یہ رائے ظاہر کی کہ ''یہ جو حضرتِ علامہ کہتے ہیں کہ بابِ نبوت مسدود ہے یہ دراصل مغرب سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے..... اقبال عقل کو نبوت پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ مغرب زدگی نہیں تو اور کیا ہے؟[۵] یہ اعتراضات علامہ اقبال کے پانچویں خطبے پر تھے۔ اخبار ''سن رائز'' نے اقبال پر تناقض کا الزام عائد کرتے ہوئے لکھا کہ پہلے تو اقبال جماعتِ احمدیہ کی تعریف کرتے تھے لیکن اب اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے ہیں۔ روزنامہ ''اسٹیٹس مین'' میں ایک پارسی نے احتجاج کرتے ہوئے لکھا کہ اسلام نے، مجوسی تہذیب سمیت قدیم تہذیبوں سے استفادہ کیا ہے۔ اقبال کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجوسی تہذیب کا کوئی پہلو قابلِ تعریف نہیں۔ مذکورہ روزنامے نے اپنے اداریے میں چند اہم سوالات اٹھائے جن کا اقبال کی طرف سے جواب بھی اسی روزنامے میں شائع ہوا۔[۶]

یہ مباحث جاری تھے کہ جواہر لال نہرو نے مرزائیوں کی حمایت میں قلم اٹھایا۔ ''ماڈرن ریویو'' کلکتہ میں ان کے تین مضامین شائع ہوئے۔ جواب میں علامہ اقبال نے ایک زبردست بیان دیا جس نے آگے چل کر ایک مضمون کی شکل اختیار کر لی اور یہ مضمون ''اسلام اینڈ احمدازم'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ علامہ کے بیان اور اس مضمون کا پس منظر بیان کرتے

ہوئے سید نذیر نیازی نے لکھا ہے کہ مجلسِ احرار اور جماعتِ احمدیہ کے نزاع سے پنجاب کی فضا مکدّر تھی۔ کشمیر کمیٹی کے اندر اور باہر یہ احساس تھا کہ اس کے کچھ عناصر مسئلہ کشمیر کے بجائے اپنے ذاتی اور جماعتی مقاصد کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ اس خیال سے یہ سوال تازہ ہو گیا کہ مسلمانوں کی وحدت کا حفظ و استحکام کس اصول پر ہے۔ لوگ اس سوال کا جواب مذہبی یا سیاسی پہلو سے دیتے تھے جس سے یہ مسئلہ الجھتا چلا گیا۔ اقبال کو مذکورہ بیان (قادیانی اور صحیح العقیدہ مسلمان) دینا پڑا جس میں تشریح کی گئی کہ سیاسی، اجتماعی اور مذہبی اعتبار سے وحدتِ امت کی یہ اساس کس اصول پر ہے۔ اس بیان کا شائع ہونا تھا کہ طرح طرح کے سوال پیدا ہونے لگے اور ملک بھر کے روز ناموں اور رسائل و جرائد نے اس پر رائے زنی شروع کر دی۔ یہ اس لیے کہ اقبال نے ایک ایسے نزاع کا سلسلہ جو بظاہر مذہبی عقیدے تک محدود تھا، سیاست و اجتماع سے جوڑ دیا۔ انھوں نے وحدتِ امت کی جو تعبیر کی وہ کانگریس کے ہندی قومیت والے نظریے سے متصادم تھی لہٰذا بیان شائع ہوا تو پنڈت جواہر لال نہرو خاموش نہ رہ سکے۔ ۷ نہرو نے جو سوالات اٹھائے تھے، اقبال نے ایک مضمون میں ان کا جواب دیا۔ ۸ نہرو نے مزید کوئی مضمون نہ لکھا۔ نہرو کے ایک خط کے جواب میں اقبال نے اس بنا پر کہ برطانوی حکومت سے وفاداری کے نظریے کو الہامی تائید فراہم کرنے کی غرض سے احمدیت ظہور میں آئی، قادیانیوں کو اسلام اور ہندوستان دونوں کا غدار قرار دیا۔ ۹

''اسلام اینڈ احمدازم'' کے جواب میں ''الفضل'' قادیان نے چودہ قسطوں پر مشتمل سلسلۂ مضامین شائع کیا۔ قادیانیوں کے انگریزی پرچے (Review of Religions) کے ایک خصوصی شمارے میں ایک مضمون بعنوان ''ڈاکٹر محمد اقبال اور تحریکِ احمدیت'' شائع ہوا جس میں یہ اعتراض کیا گیا کہ اقبال نے اپنے بیان میں ایسے نظریات پیش کیے جنھیں ان کے مداحوں نے بھی غلط کہا ہے مثلاً اقبال نے کہا ہے کہ غلام قوموں کے انحطاط کے نتیجے میں الہام جنم لیتا ہے۔ اس خیال کو شعر میں یوں باندھا ہے:

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارتِ گرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

جبکہ اکثر انبیا کرام محکوم اقوام ہی میں مبعوث کیے گئے۔ نبوت کی صداقت کا معیار حاکمیت یا محکومیت نہیں ہے بلکہ خود الہام کی نوعیت پر ہے۔ ۱۰ اقبال کا مضمون ''جنوری ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا تھا۔ فروری ۱۹۳۶ء میں قادیانیوں کے اخبار ''لائٹ'' کے مدیر نے اقبال کی ذات پر حملہ کیا۔ انجمن حمایتِ اسلام میں قادیانی ارکان بھی تھے اور اس وجہ سے انجمن کی ساکھ خراب ہو رہی تھی۔ انجمن کے صدر علامہ اقبال تھے۔ انھوں نے ارکانِ انجمن کو مشورہ دیا کہ مرزائیت کے ضمن میں انھیں اپنی پالیسی واضح کرنی چاہیے اور جب ختم نبوت کے ضمن میں ایک قرارداد پیش کی گئی تو ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ (انجمن کے اہم قادیانی رکن) نے جوش میں آ کر اور کھڑے ہو کر کہا: ''مجازی رنگ میں نبی آ سکتا ہے''۔ ڈاکٹر موصوف سے اختلاف کیا گیا اور وہ غصے کی حالت میں اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے۔ نو دن بعد ان پر فالج کا حملہ ہوا جس سے ان کا انتقال ہو گیا۔ اس واقعے کو بہانہ بنا کر مدیر ''لائٹ'' نے افتتاحیے میں لکھا:

''ایک بہترین صبح کو ڈاکٹر محمد اقبال نے یہ خیال کیا کہ مرزا یعقوب بیگ کافر ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد اقبال نے انجمنِ حمایت اسلام کو چیلنج بھیج دیا کہ مرزا یعقوب بیگ کو الگ کر دیا جائے جیسا کہ وہ اس احسان فراموش اور بے ضمیر کتوں کی جماعت میں بوجہ اپنی شرافت کے رہنے کے قابل نہ تھا۔ خدا نے اس کو اپنی طرف بلا لیا۔ ہم ڈاکٹر اقبال صاحب اور اس کے رہزن گروپ کو مبارک باد دیتے ہیں کہ اب گندا آدمی دنیا میں نہیں رہا اور ڈاکٹر صاحب انجمن کی کرسیٔ صدارت کو زینت بخشیں۔'' ۱۱

مرزائیت کے خلاف اپنی تحریروں کے باعث علامہ اقبال، بقول ڈاکٹر جاوید اقبال، ''احمدیوں کے غیظ و غضب کا نشانہ بنے'' ۱۲ چنانچہ اقبال کو ہدفِ تنقید بنایا گیا اور ان کے انہدام کی کوششوں کا آغاز ہوا۔ اقبال پر قادیانیوں کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ ۱۹۳۵ء تک ان کا قادیانیت سے ''گہرا تعلق'' رہا اور وہ انھیں ''مسلمان'' سمجھتے رہے لیکن ۱۹۳۵ء میں ان کی قلب ماہیت ہوگئی اور انھوں نے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ یہ اعتراض، گزشتہ نصف صدی کے دوران، بار بار مختلف تفصیلات کے ساتھ دہرایا گیا۔ چنانچہ ''زندہ رود'' کی تصنیف کے دوران شیخ اعجاز احمد نے ڈاکٹر جاوید اقبال کو ایک تحقیقی نوٹ تیار کر کے بھیجا جس میں بارہ دلائل اس ضمن میں ہیں کہ ۱۹۳۵ء کے آغاز تک علامہ اقبال کے نزدیک احمدی دائرہ اسلام سے خارج نہ تھے۔ پھر ان کی رائے میں احمدی جماعت کیوں ایکا ایکی دائرہ اسلام سے یکسر خارج ہوگئی۔ ۱۳ شیخ اعجاز احمد نے یہ دلائل ''مظلوم اقبال'' میں بھی درج کیے ہیں۔ ان کے خیال میں اقبال کی رائے میں تبدیلی کی ''وجہ کانگریس۔ احرار سازش کے تحت احرار کا دباؤ اور ان کی ریشہ دوانیاں تھیں۔ سازشیوں کی خوش قسمتی سے انھی دنوں ایک ذاتی معاملہ میں علامہ کا احساس محرومی بھی شامل ہوگیا جس کی وجہ سے احمدیت کے خلاف ان کے بیانات میں وہ شدت اور تلخی در آئی جو عام طور پر ان کے شیوہ کے مطابق نہ تھی''۔ ۱۴ شیخ اعجاز احمد کے اس دعوے کا سیر حاصل جواب ڈاکٹر جاوید اقبال نے ''زندہ رود'' میں دیا ہے ۱۵ تاہم شیخ اعجاز احمد نے ''مظلوم اقبال'' میں اس سے کوئی تعرض کیے بغیر اپنے دعوے کو دہرا دیا ہے۔ شیخ عبدالماجد نے ''زندہ رود'' کے متعلقہ مباحث کے جواب میں پوری کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہے ''اقبال اور احمدیت۔ زندہ رود پر تبصرہ'' ایک اخبار کے مدیر نے اپنے تبصرے میں، جو کتاب میں شامل ہے، ڈاکٹر جاوید اقبال کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنی کتاب کے ''اقبال اور احمدیت'' سے متعلقہ حصوں پر نظر ثانی کریں یا پھر شیخ عبدالماجد کی تحریر کا جواب لکھیں۔ ۱۶ ڈاکٹر جاوید اقبال نے اس مشورے پر عمل نہیں کیا۔ البتہ ڈاکٹر وحید عشرت نے شیخ موصوف کی کتاب پر قلم اٹھایا۔ ہفت روزہ ''مہارت'' میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ شیخ عبدالماجد نے جوابی مضامین لکھے۔ دونوں صاحبان کا ''مہارت'' کے صفحات پر معرکہ گرم رہا۔ اس سلسلے کے اپنے آخری مضمون کے ذریعے جھوٹ سچ کا فیصلہ دنیا پر چھوڑتے ہوئے، ڈاکٹر وحید عشرت نے بحث کو بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس بحث سے شیخ عبدالماجد کو یہ فائدہ ہوا کہ انھوں نے ''فکرِ اقبال اور تحریکِ احمدیہ'' کے نام سے ایک اور کتاب تیار کر لی جس کے متعدد ابواب ''اقبال اکیڈمی کے پی ایچ ڈی محقق کے شکوک کے ازالہ'' کے عنوان سے شاملِ کتاب ہیں۔ ۱۷

ڈاکٹر وحید عشرت ''اقبال اور احمدیت'' پر گہری نگاہ ڈالتے تو قدم قدم پر ''جھوٹی نبوت'' کی طرح ''جھوٹی تحقیق'' عیاں ہو جاتی۔ ۱۸

شیخ عبدالماجد نے اقبال کے خاندانی پس منظر کو احمدیت سے منسوب کیا ہے۔ ایک طرف عیسائی اقوام کو یاجوج ماجوج قرار دیا ہے اور دوسری طرف انگریز حکمرانوں سے مرزا غلام احمد کی وفاداری کو جائز قرار دیا ہے۔ اس جواز کے لیے ''علامہ اقبال اور انگریز حکمران'' کے عنوان سے ''انگریزی حکومت سے اقبال کی وفاداری کا پینتیس سالہ ریکارڈ'' پیش کیا ہے۔ ''اقبال نئے مسیحا کی آمد کے متمنی تھے'' اور ''علامہ نے احمدیوں کے خلاف ۱۹۳۵ء سے قبل زبان کیوں نہ کھولی؟'' جیسے عنوانات بھی قائم کیے ہیں۔ آخری باب میں اقبال کی شخصیت پر اعتراضات ہیں اور اس ضمن میں سردار عبدالقیوم کے تاثرات بھی بیان کیے ہیں۔ ''فکرِ اقبال اور تحریکِ احمدیہ'' کے سرورق پر ''موافقت چالیس سال۔ مخالفت تین سال'' اور ''علامہ اقبال کی برطانیہ سرکار کے ساتھ وفاداریاں'' جیسے عنوانات بھی قائم کیے ہیں۔ بیسویں باب میں ''دنیا بھر کے ماہرین اقبالیات کو ''دعوتِ تحقیق'' دی ہے اور یوسف سلیم چشتی کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ ''اقبال ۱۹۱۱ء تک کٹر مرزائی اور مرزا صاحب کے مخلص متبع تھے۔''[۱۹]

اقبال کا ''احمدیت سے گہرا تعلق'' ثابت کرنے کے لیے شیخ عبدالماجد نے زورِ تحقیق صرف کیا ہے۔ اس سے پہلے شیخ عبدالمالک اور شیخ نور احمد منیر، وغیرہ بھی یہ موقف پیش کر چکے تھے۔ اس کا ایک مقصد تو مرزائیت کو تقویت پہنچانا ہے اور دوسرا مقصد علامہ اقبال کو مسلمانوں کی نگاہوں میں گرانا ہے۔ اقبال کی شخصیت اور افکار پر اعتراضات کا بھی یہی مقصد ہے۔ اقبال کو مفکر و مصورِ پاکستان کے اعزاز سے محروم کرنے کی کوششیں بھی کی گئی ہیں۔ شیخ عبدالماجد کا دعویٰ یہ ہے کہ خطبہ الٰہ آباد امام جماعت احمدیہ کی ۱۹۲۸ء میں پیش کی گئی ''کامل خود اختیاری'' کی تشریح و تعبیر ہے اور یہ کہ اس کا تقسیم ہند سے کوئی تعلق نہیں۔ انھوں نے ایک عنوان یہ قائم کیا ہے:

> ''خطبہ الٰہ آباد کا تقسیم ہند سے کوئی تعلق نہیں''۔ ''حضرت امامِ جماعتِ احمدیہ کی تجویز'' کے زیرِ عنوان لکھا ہے: ''پانچ مسلم صوبے فیڈریشن کے اصول پر ہندوستان سے ملحق رہیں اور ہندو صوبے مضبوط مرکزی حکومت کے ماتحت رہیں۔''[۲۰]

پروفیسر کے کے عزیز نے یہ ثابت کرنے کے لیے بڑی محنت کی ہے کہ تصورِ پاکستان اقبال کا نہیں ہے۔ موصوف کا قادیانیت کے ساتھ کوئی تعلق ہے یا نہیں اس ضمن میں وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ اقبال کو منہدم کرنے کا ان کا جذبہ البتہ بہت قوی ہے۔ ''لبرٹی'' کے مدیر انور شیخ کے دین و ایمان کا بھی پتا نہیں چلتا۔ انھوں نے اپنے مضمون ''اقبال غارت گر ملت'' میں ہندی قومیت کی حمایت کی ہے اور علامہ اقبال کے کردار کی دو خصوصیات متعین کی ہیں۔ ایک ''ہندو دشمنی'' اور دوسری ''مرزا غلام احمد قادیانی سے رقابت اور جنونِ خودنمائی''[۲۱] انور شیخ نے کہیں بھی مرزا غلام احمد کے نام کے ساتھ ''حضرت'' قسم کا لفظ نہیں لکھا تاہم مذکورہ مضمون کا ماخذ قادیانی لٹریچر خصوصاً شیخ عبدالماجد کی کتاب ''اقبال اور احمدیت'' ہے۔ دونوں شیوخ میں فرق یہ ہے کہ انور شیخ نے اقبال کے خلاف دریدہ دہنی سے کام لیا ہے۔ ''لبرٹی'' کے ایک اور مضمون نگار محمد احمد جامی نے ''اقبال۔ ایک متنازعہ شخصیت'' کے زیرِ عنوان ''الفضل'' کے حوالے سے کے کے عزیز کا ایک بیان نقل کیا ہے۔ انھیں شکایت یہ ہے کہ کوتاہ بین حضرات کوئی ایسی بات سننے پر آمادہ نہیں ہوتے جو انھیں علامہ اقبال اور قائداعظم کے ضمن میں بے علمی یا اندھی عقیدت کے باعث ناپسند ہو۔ انھوں نے اپنے موقف میں وزن پیدا کرنے کے لیے کے کے عزیز کا بیان نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان کے ایک نامور تاریخ دان پروفیسر کے کے عزیز نے حال ہی میں ایک بیان میں کہا ہے کہ ''ہمارے عوام جذباتی ہیں۔ انھیں مشتعل کرنے کے لیے کسی نیم خواندہ صحافی کا کالم یا ناخواندہ مولوی کی ایک تقریر کافی ہے۔ چرچل، نپولین، واشنگٹن سب پر تنقید ہوتی ہے، لیکن ہمارے ہیرو تنقید سے مبرا ہیں'' (بحوالہ الفضل پاکستان۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۹۴ء) واضح رہے کہ پروفیسر عزیز پنجاب، لندن، ہائڈل برگ اور خرطوم کی یونیورسٹیوں میں پروفیسر رہ چکے ہیں۔ ۲۲

غور طلب بات یہ ہے کہ بانیانِ پاکستان پر ''تنقید'' کو ایک مہم کے طور پر زندگی کا مقصد بنا لینے کا جواز کیا ہے؟ کیا دنیا میں کرنے کے لیے اور کوئی مفید کام نہیں ہے؟ ''لبرٹی'' والوں اور کے کے عزیز کا اصل مسئلہ کچھ اور ہے ''الفضل'' کا حوالہ اس راز سے پردہ اٹھاتا ہے۔

.....

حوالے اور حواشی

(۱) مضمون کا عنوان ہے Qadianis and Orthodox Muslims یہ مضمون متعدد جرائد و اخبارات میں شائع ہوا۔ اپنے خط بنام سید نذیر نیازی مورخہ ۷ مئی ۱۹۳۵ء میں اقبال لکھتے ہیں کہ ''وہ مضمون جو آپ نے دکن ٹائمز میں دیکھا ہے قریباً تمام انگریزی اخباروں میں شائع ہوا ہے۔ ایسٹرن ٹائمز، ٹریبون، سٹیٹس مین، سٹار آف انڈیا کلکتہ، علاوہ اس کے اردو اخباروں میں اس کا ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔ ۱۴ مئی کے سٹیٹس مین نے..... اس کے اوپر لیڈنگ آرٹیکل بھی لکھا ہے (مکتوباتِ اقبال، صفحات ۳۷۲۔۳۷۳) اس نتیجے تک فکرِ اقبال کی رسائی بتدریج ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ علامہ اقبال اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو مسئلہ قادیانیت کی سنگینی کا احساس مولانا انور شاہ کشمیری نے دلایا۔

(۲) دیکھیے (i) Thoughts and Reflections of Iqbal، مرتبہ ایس اے واحد (ii) Speeches and statements of Iqbal (نیز ''حرفِ اقبال''۔ اردو ترجمہ از شروانی) مرتبہ لطیف احمد شروانی (iii) Discourses of Iqbal، مرتبہ شاہد حسین رزاقی۔

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے نقوشِ جاوداں، زاہد منیر عامر صفحہ ۱۳۲

(۴) تفصیل اور حوالوں کے لیے دیکھیے، اقبال اور احمدیت، بشیر احمد ڈار، صفحات ۴۹ تا ۵۳

(۵) مکتوباتِ اقبال، سید نذیر نیازی، صفحہ ۳۰۰

(۶) ''سٹیٹس مین'' کا اہم ترین سوال یہ تھا کہ ایک مذہبی ملت کے اندرونی اختلافات کی طرف حکومت کہاں اور کب توجہ کرے؟ اقبال کا جواب یہ تھا کہ سکھوں کے مطالبے کا انتظار کیے بغیر حکومت نے ۱۹۱۹ء میں انھیں ہندوؤں سے الگ جماعت تسلیم کر لیا۔ ایسا ہی وہ قادیانیوں کے معاملے میں کر سکتی ہے۔ ایران میں بہائیوں نے ختمِ نبوت کے اصول کو جھٹلایا لیکن ساتھ ہی اعلان کیا کہ وہ الگ جماعت ہیں اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں۔ قادیانیوں کے سامنے صرف دو راہیں ہیں یا تو وہ بہائیوں کی تقلید کریں اور یا ختمِ نبوت کے اصول کو تسلیم کریں اور اس ضمن میں تاویلات کو ترک کر دیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے ''اقبال اور احمدیت'' ڈار، صفحات ۶۲ تا ۶۵)

(۷) دیکھیے مکتوباتِ اقبال مرتبہ سید نذیر نیازی، صفحات ۳۱۰ تا ۳۱۲

(۸) یہ مضمون بھی سید عبدالواحد اور لطیف احمد خان شروانی کے مجموعوں میں شامل ہے۔ اردو ترجمہ ''حرفِ اقبال'' میں ہے۔ دونوں

مضامین کا اردو ترجمہ (مع ان مضامین کا پس منظر) ''اقبال اور احمدیت'' از بشیر احمد ڈار میں شامل ہے۔

(۹) دیکھیے Thoughts and Reflections of Iqbal صفحہ ۳۰۶ نیز Speeches and Statements of Iqbal صفحہ ۲۴۱

(۱۰) ''تاریخ احمدیت'' صفحات ۱۹۷۔۱۹۸ بحوالہ ''اقبال اور احمدیت'' بشیر احمد ڈار، صفحات ۱۱۲۔۱۱۳

(۱۱) تفصیل کے لیے دیکھیے، اقبال اور انجمنِ حمایتِ اسلام، محمد حنیف شاہد، صفحات ۱۳۱ تا ۱۳۶

(۱۲، ۱۳) زندہ رود، صفحات ۵۶۹، ۵۷۵

(۱۴) مظلوم اقبال، ۱۹۵ تا ۱۹۹

(۱۵) دیکھیے زندہ رود، صفحات ۵۶۹ تا ۵۹۰

(۱۶) اقبال اور احمدیت، شیخ عبدالماجد، صفحہ ۲۴

(۱۷) تفصیل کے لیے دیکھیے، ''فکرِ اقبال اور تحریک احمدیہ'' کا پہلا، چوتھا، ساتواں اور آٹھواں باب۔

(۱۸) شیخ موصوف کی ''تحقیق'' کا انداز حسبِ ذیل مثال سے واضح ہے:

شیخ عبدالماجد کے بقول ''بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی زندگی میں علامہ سنجیدگی سے اسی بات کے قائل تھے کہ تلوار کے دن لد چکے اب قلم کا دور دورہ ہے۔ اب قلم ہی سیف کا کام دکھاتی ہے۔ چنانچہ قلم کی کشور کشائی کے منکروں کو سمجھانے کے لیے آپ نے ۱۹۰۲ء میں انجمنِ حمایت اسلام کے اجلاس میں پڑھی جانے والی نظم میں یہ شعر شامل کیا:

تیغ کے بھی دن کبھی تھے اب قلم کا دور ہے
بن گئی کشور کشا یہ کاٹھ کی تلوار کیا

(اقبال اور احمدیت، صفحہ ۱۷۱)

اس شعر کے آخر میں جو سوالیہ نشان ہے اسے عبدالماجد نے حذف کر دیا ہے (دیکھیے اقبال کا ابتدائی کلام، مرتبہ گیان چند، صفحہ ۱۵۷) جس بند میں یہ شعر ہے اس کے جملہ دس اشعار کے آخر میں سوالیہ نشان ہے۔

(۱۹) ''فکرِ اقبال اور تحریکِ احمدیہ'' صفحہ ۳۸۴

(۲۰) اقبال اور احمدیت، صفحات ۲۴۱ تا ۲۴۴

(۲۱، ۲۲) دیکھیے ''لبرٹی (کارڈف) جنوری ۱۹۹۸ء، صفحات ۱۴، ۲۶

زبان میری ہے بات اُن کی

ساغر اقبالی

☆ فوجی ہوں، بھاگنے والا نہیں۔ (پرویز مشرف)
اور ایک عرصے سے بھاگا ہوا ہے۔
☆ رحمٰن ملک کی بطور ایڈیشنل ڈی جی ایف آئی اے برطرفی، ریٹائرمنٹ میں تبدیل۔ (ایک خبر)
۱۹۹۶ء میں، اختیارات کے ناجائز استعمال پر برطرف کیا گیا تھا۔ زرداری نے بحال کر دیا۔ (ایک خبر)
بلاتبصرہ!
☆ ایم پی اے شمائلہ رانا کو کریڈٹ کارڈ چوری کیس سے بری کر دیا گیا۔ (ایک خبر)
کیمرے نے تصاویر بناتے ہوئے بددیانتی کی ہوگی۔
☆ پرویز مشرف، نواز شریف اور یوسف رضا گیلانی میں کوئی فرق نہیں۔ (ڈاکٹر مبشر حسن)
ایں خانہ ہمہ آفتاب است!
☆ ۱۹۷۳ء کے آئین میں ترامیم پر قوم مبارکباد کی مستحق ہے۔ (جاوید ہاشمی)
بجلی، سوئی گیس، آٹا، دال سستے ہو جائیں گے۔
☆ جعلی ڈگری۔ نغمہ مشتاق نے پنجاب اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ ایک ماہ میں جعلی ڈگری کی بنیاد پر ۳/ارکان اسمبلی مستعفی۔ (ایک خبر)
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟
☆ یکم اپریل سے تمام سکول انگلش میڈیم۔ طلباء، اساتذہ آپس میں انگریزی بولیں گے۔ (ایک خبر)
آئی ایم نے اِیٹ کیتے دو چار گنّے فارمر نے پچھیا وائی آر یو پنّے؟
آئی ایم نے عرض کیتا او مائی ڈیئر کسان! دو چار گنّے پنّے، وَٹ اِز یور نقصان؟
☆ پانی چوری میں چند ''بڑے'' لوگ ملوث ہیں۔ (راجہ ریاض)
ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے!
☆ سوئس مقدمات کا فیصلہ ہو چکا، اب کسی کو مروڑ نہیں اٹھنے چاہئیں۔ (قمر الزماں کائرہ)
ملاحظہ ہو! وزیر اطلاعات و نشریات کے الفاظ کا دائرہ!
☆ وزیر اعظم کی تقریر میں وزراء سوتے رہے۔ (ایک خبر)
وزیر اعظم کی خطابت نے سحر طاری کر دیا ہوگا۔

تبصرہ: جاوید اختر بھٹی

● **ابن آدم کی مسیحائی (افسانے)** افسانہ نگار: جمشید اقبال

صفحات: ۱۲۷ قیمت ۲۰۰ روپے ناشر: پیس پبلی کیشنز بہاول پور

زیرِنظر کتاب جمشید اقبال کے بارہ افسانوں کا مجموعہ ہے اور فہرست میں ہر افسانے پر مختلف شاعروں کے اشعار دیے گئے ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ کتاب میں نقش اوّل کے طور پر دو خط دیے گئے ہیں۔ یہ دونوں خط ڈاکٹر وزیر آغا کے نام لکھے گئے ہیں۔ ایک ۱۰ مارچ ۱۹۹۳ء کی اور دوسرے پر جنوری ۲۰۱۰ء کی تاریخ درج ہے لیکن یہ دونوں خط آغا صاحب کو پوسٹ نہیں کیے گئے۔ یہ خطوط ان کے جذبات کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ اب یہ خطوط بذریعہ کتاب پوسٹ کر دیے گئے۔ (اسے رجسٹرڈ اک بھی کہا جاسکتا ہے)

جمشید اقبال نے معاشرتی ناانصافیوں کے خلاف لکھا ہے۔ وہ ایسے طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں جنھیں کبھی آسودگی نصیب نہیں ہوئی اور وہ نسل در نسل زندگی کے عذاب سے گزر رہے ہیں۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر شاہد حسن رضوی نے لکھا ہے:

> ''اظہارِ ذات کی کرب ناکیوں سے عصری حسیّت تک کا منظر نامہ تلخ، پُر پیچ اور طویل ہوتا ہے۔ جمشید اقبال نے اس منظر نامے کو نئی ادبی جہتوں اور روایتوں کا امین بنا دیا ہے۔ یہ الگ بات کہ انھوں نے صدیوں کی طوالت اور کہولت سے یہ ادبی سفر محض چند برسوں میں طے کیا ہے۔''

میری دعا ہے کہ جمشید اقبال ترقی کریں، وہ ضرور ترقی کریں گے کہ وہ احسان فراموشی نہیں کرتے۔ اس کا اندازہ انتساب کی عبارت سے کیا جاسکتا ہے۔

> ''ان دوستوں کے نام:
> اول: محلّہ قاضیاں، فاروقی کی وہ فرشتہ صفت بہن، جس نے مجھے کتابیں خریدنے کے لیے پیسے دیے۔
> دوم: میرا وہ کزن، جس نے مجھے انٹرمیڈیٹ کا امتحان دینے کے لیے فیس کے دو سو روپے دیے۔''

جمشید اقبال ریاکاری سے پاک افسانہ نگار ہے۔ ایسے افسانہ نگار دنیا کے دکھ کو اپنا دکھ محسوس کرتے ہیں۔ ان کی حساس طبیعت کو زندگی کے بہت سے عذاب برداشت کرنے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ آسانی سے زندگی بسر نہیں کرتے۔ وہ اپنے اندر ایک تبدیلی کو خواہش رکھتے ہیں، یہی وہ خواہش انھیں افسانہ نگار بنا دیتی ہے۔

● **عہد نو کا نمائندہ تخلیق کار (ڈاکٹر سید قاسم جلال)**　　مرتب: جمشید اقبال

صفحات: ۱۶۰　قیمت: ۲۰۰　ناشر: مکتبہ عکاس، اسلام آباد

ڈاکٹر قاسم جلال فارسی، اردو، سرائیکی اور پنجابی کے معروف شاعر، ادیب اور نقاد ہیں۔ ان کی غزلیں، نظمیں اور مضامین ملک کے معروف ادبی جرائد میں شائع ہوتے ہیں۔ ان کی اب تک ۱۶ کتب منظر عام پر آ چکی ہیں۔ قاسم جلال ایسے ادیبوں اور شاعروں میں شمار ہوتے ہیں جو کبھی ادبی منظر نامے سے اوجھل نہیں ہوئے۔ زیر نظر کتاب میں ۲۶ ادیبوں نے ان پر مضامین لکھے اور ۱۵ دانشوروں نے اپنے تاثرات قلمبند کیے اور آخر میں ان کا انٹرویو دیا گیا ہے۔ یہ بھرپور خراج تحسین کی صورت ہے۔

قاسم جلال ۱۹۴۸ء کو بہاول پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے جد امجد عظیم صوفی بزرگ سید جلال الدین سرخ بخاری تھے۔ انھوں نے تین ایم اے کرنے کے بعد پی ایچ ڈی کا مرحلہ طے کیا۔ انھوں نے مختلف کالجوں میں اردو کے استاد کے طور پر تدریسی خدمات سرانجام دیں اور ۲۰۰۱ء میں ریٹائرمنٹ لے لی۔

اسلامیہ یونیورسٹی میں ان پر ایم اے کی سطح کا ایک مقالہ لکھا گیا۔ اس کے علاوہ ان کے بارے میں دو کتابیں مرتب ہو چکی ہیں اور تیسری زیر طبع ہے۔ تین ادبی رسائل نے ان پر خصوصی نمبر بھی شائع کیے ہیں۔ انھوں نے آٹھ غیر سرکاری ایوارڈ حاصل کیے ہیں۔ ڈاکٹر قاسم جلال کے کام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ہمیشہ سنجیدگی سے ادب کی خدمت کی ہے۔

شورش کاشمیری، عرش صدیقی، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر اسلم انصاری، میرزا ادیب، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر انور سدید اور پروفیسر فتح محمد ملک وہ کون نامور ہے جس نے ڈاکٹر سید قاسم جلال کی ادبی خدمات کا اعتراف نہ کیا ہو۔ میرا خیال ہے کہ یہ ان کی مسلسل محنت کا ثمر ہے۔

● **مسلمانوں کا دینی و عصری نظام تعلیم (خطبات و تقاریر: ڈاکٹر محمود احمد غازی)**　　مرتب: ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن

صفحات: ۲۵۶　قیمت: ۱۷۵　ناشر: الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ

یہ ڈاکٹر محمود احمد غازی کے آٹھ خطبات و تقاریر کا مجموعہ ہے (جسے ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن نے مرتب کیا ہے) ڈاکٹر محمود احمد غازی نے مختلف موضوعات پر اظہار خیال کیا۔

(۱)　دینی مدارس، مفروضے، حقائق، لائحہ عمل۔

(۲)　قدیم و جدید تعلیم میں ہم آہنگی۔

(۳)　مسلمانوں کی تعلیمی روایت اور عصر۔

(۴)　اکیسویں صدی میں پاکستان کے تعلیمی تقاضے۔

(۵)　مغرب کا فکری اور تہذیبی چیلنج اور علماء کی ذمہ داریاں۔

(۶) دینی مدارس میں تخصص اور اعلیٰ تعلیم و تحقیق۔

یہ تمام موضوعات دراصل تعلیم سے متعلق ہیں اور عصر حاضر میں دینی مدارس میں تعلیم کا مسئلہ اہمیت اور توجہ حاصل کر گیا ہے۔ اہل علم اس بارے میں سوچ رہے ہیں اور تجاویز بھی دے رہے ہیں۔

ضمیمہ میں (۱) مسلکی اختلاف اور حدود (۲) عصر حاضر میں علماء کی ذمہ داریاں شامل ہیں۔ ڈاکٹر غازی کی فکر نے دینی حلقوں میں اپنا اعتبار قائم کیا ہے اور وہ ایسے موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں جنھیں وقت کی اہم ضرورت کیا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ نئے زمانے میں اسی انداز میں گفتگو کرنی چاہیے۔

مولانا زاہد الراشدی لکھتے ہیں:

> ''مختلف موضوعات پر ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کے محاضرات مقالات اور بیانات و خطبات قدیم و جدید دونوں حلقوں کے لیے یکساں افادیت کے حامل ہیں اور اپنے مواد، قوت استدلال اور ندرت فکر کے حوالے سے اہل علم کے لیے بیش بہا تحفہ ہیں۔''

ڈاکٹر غازی کا انداز گفتگو حکمت، دانائی اور علم کا مرقع ہے۔ وہ درس نظامی پر بات کرتے ہیں تو تاریخ کو نظر انداز نہیں کرتے۔ یہی ان کی خوبی ہے کہ وہ تاریخ سے الگ نہیں ہوتے۔ ڈاکٹر صاحب کے خطبات کو پڑھتے ہوئے بار بار یہ احساس ہوا کہ میں تاریخ کی کتاب پڑھ رہا ہوں۔ اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کے وہ ایسے مؤرخ ہیں کہ جو تاریخ کی سچائیوں کو بیان کرتے ہوئے کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرتے اور اگر ہم صاف اور پاکیزہ ذہن کے ساتھ اپنی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کریں تو بہت سے اختلافات ختم ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہم ہر وقت عقیدت اور فرقہ پرستی کی چادر اوڑھے رہتے ہیں اسی لیے سچائیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

درسِ نظامی کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

> ''سوال یہ ہے کہ درس نظامی کا یہ نصاب ملا نظام الدین سہالوی مرحوم و مغفور نے کیوں اور کس مقصد کی خاطر مرتب کیا تھا؟ اس پر ذہن صاف ہو اور تاریخی حقائق سامنے ہوں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ برصغیر میں سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں، جس کو اب برصغیر کی اسلامی تاریخ کا دور زوال اور دور انحطاط بھی کہہ سکتے ہیں، ریاستی نظام چلانے، اسلامی عدالتوں کو قاضی، مفتی اور مُفَتِّن فراہم کرنے کی خاطر یہ نصاب تیار کیا گیا تھا۔ یہ زمانہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ابتدائی دور تھا۔ جب اٹھارویں صدی میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہ عالم سے دیوانی خرید لی تو کمپنی کے زیر انتظام صوبوں کے بارے میں شرط رکھی گئی کہ وہاں کا نظام بدستور فقہ حنفی کے مطابق چلتا رہے گا۔ اس نظام کے لیے کمپنی کے کارپردازوں نے بھی اپنے اہتمام میں درس نظامی کے کئی ادارے قائم کیے۔ یہ سلسلہ ۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کے مکمل اور حتمی سقوط تک جاری رہا۔ بہر حال، اس کے بعد چونکہ یہی نصاب

موجود تھا اور اسی نصاب کے تیار کردہ علماء دستیاب تھے۔ اس لیے جب دارالعلوم دیوبند اور دوسرے مدارس قائم ہوئے تو انھوں نے اسی نصاب کو قابل عمل پایا اور اس کو اختیار کر لیا۔ لیکن دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد خود اس نصاب میں پچھلے سو سال میں اب تک جتنی بڑی تبدیلیاں ہوئی ہیں انھوں نے اسی نصاب کو ''حقیقی درس نظامی'' نہیں رہنے دیا۔ آج کا رائج الوقت ''درس نظامی'' اصل درس نظامی سے بہت مختلف چیز بن چکا ہے۔ لیکن تاریخی تسلسل میں اگر اس کو ''درس نظامی'' کہا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی۔''

(دینی مدارس، مفروضے، حقائق، لائحہ عمل)

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے تمام خطبات ہی اہمیت رکھتے ہیں لیکن میں آخر میں ایک اور اقتباس پیش کروں گا۔

''ہماری قدیم فقہی کتابیں اسلام کے دور عروج میں مرتب ہوئیں۔ مجتہدین اسلام نے اسلامی ریاست، اسلامی تہذیب، اسلامی ثقافت، اسلامی معاشرہ اور اسلامی زندگی کے ایسے مسائل نہایت باریک بینی اور دقت نظر سے مرتب کر دیے جو مسلمانوں کو اپنے دور عروج میں پیش آئے یا جن سے مسلمانوں کا مسلم ماحول میں واسطہ پڑتا ہے۔ رہے وہ مسائل جو ایک مسلم اقلیت کو پیش آتے تھے یا غلامی کی زندگی گزارنے والے مسلمانوں کی پیش آسکتے تھے۔ اس سے فقہائے اسلام کو زیادہ اعتنا کرنے کا موقع نہ ملا اور نہ اس کی ضرورت پیش آئی۔''

(اکیسویں صدی میں پاکستان کے تعلیمی تقاضے)

یہ کتاب ایسے لوگوں کے لیے بھی مفید ہے کہ جن کے ذہنوں میں ابھی اسلام کے بارے میں سوال باقی ہیں۔ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے آپ محسوس کریں گے کہ ڈاکٹر صاحب کی فکر میں کس قدر وسعت ہے وہ مسئلے کو تاریخ کے آئینے میں دیکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی گفتگو سے بہت سے سوالوں کے جواب مل جاتے ہیں۔

● **بامحمد باوقار صلی اللہ علیہ وسلم** مولف: مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: ۱۶۰ قیمت: ۱۰۰ ناشر: دارالارشاد، مدینہ مسجد اٹک

شیخ التفسیر مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مرحوم، علامہ انور شاہ کشمیری اور شیخ مدنی کے تلمیذ اور مولانا احمد علی لاہوری کے خلیفہ تھے۔ قاضی صاحب مرحوم کئی کتابوں کے مصنف اور مؤلف تھے۔ ان کی کتب کا فیض آج بھی جاری ہے۔ زیر نظر کتاب سیرت کی مختصر تالیف ہے لیکن یہ اس لیے مستند اور منفرد ہے کہ اسے قرآن حکیم اور احادیث کے حوالے سے مرتب کیا گیا ہے۔

مولانا عبدالقیوم حقانی لکھتے ہیں:

''یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ان سے محبت فرماتا ہے۔ یہ اپنے رب سے خوش اور اللہ ان سے راضی ہوتا ہے۔ یہ اپنے مالک مولیٰ کی بات مانتے ہیں اور وہ ان کی کوئی درخواست نہیں ٹالتا یہ احکم الحاکمین کے سامنے جھکنے والے ہیں اور خالق کائنات اپنی مخلوق کے دل ان کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ یہی وہ مقدس گروہ ہے جسے اولیاء اللہ کی جماعت کہا جاتا ہے۔ میرے حضرت بھی اسی جماعت کے ایک فرد فرید تھے۔''

قاضی صاحب مرحوم نے اس کتاب کے پیش لفظ (تحدیث نعمت) میں لکھا ہے۔

''جب اللہ تعالیٰ نے دین کی اشاعت کے لیے قلم سے کام لینے کی سعادت بخشی تو اس قلم سے کئی رسائل اور کتب ایسی لکھی گئیں جن کا تعلق رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع کے ساتھ ہے۔''

اس کتاب میں سیرت کے ۳۵ موضوعات کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ چند اقتباسات دیکھیے۔ اس سے کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی ہے۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا آغاز قرآن حکیم سے ہوا۔ جس موضوع پر اللہ تعالیٰ خود اس پر آدمی کیا لکھ سکتا ہے۔ اس کا لکھنا دراصل اپنے لیے آسانیاں پیدا کرنا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی لازوال عظمت کا بیان اس طرح ہوتا ہے۔

(۱)　اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا (الانشراح)

(۲)　اور ہم نے آپ کو سب لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے (السباء)

(۳)　آپ فرما دیجیے، اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں (الاعراف)

(۴)　اور اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر، اے ایمان والو رحمت بھیجو اس اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔ (الاحزاب)

رسول اللہ کی شان یہ ہے کہ دنیا اور کائنات کی بات آپ سے اوجھل نہیں تھی۔ وہ آسمانوں کی بلندیوں اور زمین کی گہرائیوں کے تمام راز جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید دنیا کے سائنسدان اور فلسفی قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس حکمت اور پریشان ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا زاہد الحسینی مرحوم کے درجات بلند کرے کہ انھوں نے ''با محمد باوقار'' لکھ جہاں لوگوں کو رحمت اللہ عالمین کی عظمت کی طرف متوجہ کیا وہاں اپنے لیے بھی ایسا سامان تیار کیا جو آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا۔ اب جب کہ وہ تمام انسانی اور فانی ضرورتوں سے آزاد ہو کر خالق حقیقی کو طرف لوٹ گئے ہیں۔ بس یوں سمجھئے کہ اللہ اور اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آپ کو دنیا اور آخر میں تنہا نہیں رہنے دیتا۔ اللہ تعالیٰ قاضی صاحب مرحوم کے درجات بلند کرے۔

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

ادارہ

اخبارُالاحرار

چیچہ وطنی میں احرار ختم نبوت کانفرنس (تحریک ختم نبوت کے پس منظر میں)

حافظ حبیب اللہ چیمہ

انگریز سامراج نے برصغیر میں اپنے اقتدار کو دوام دینے اور اسلام اور مسلمان کو کمزور کرنے کے لیے جہاں اور بہت سے حربوں کو استعمال کیا وہاں مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور جذبۂ جہاد کو ختم کرنے کے لیے جعلی نبوت کا ڈھونگ بھی رچایا اور مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں ایک ایسے فتنے کو کھڑا کیا جس نے انگریز کی حکومت سے وفاداری کا دم بھرا اور جہاد کی تنسیخ کا اعلان بھی کیا۔ اِس فتنے کی تباہ کاریوں سے امت کو بچانے کے لیے سب سے پہلے علماء لدھیانہ اور بعد میں علماء دیوبند نے اس پر کفر کا فتویٰ صادر کیا اور رفتہ رفتہ بریلوی مکتبِ فکر اور اہلحدیث مکتب فکر سمیت تمام طبقات مرزائیوں کے کفر پر متفق ہوگئے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال مرحوم نے فتنۂ قادیانیت کے خلاف تعلیم یافتہ طبقے کی نمائندگی کا حق ادا کر دیا لیکن ہندوستان کی سرزمین پر جماعتی و تنظیمی اور عوامی سطح پر سب سے پہلے مجلسِ احرارِ اسلام نے منظّم کام کا آغاز کیا۔ مارچ ۱۹۳۰ء میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کی انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ اجلاس میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری رحمتہ اللہ علیہ نے پانچ سو علماء کی معیت میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو ''امیر شریعت'' منتخب کیا اور اُن کے ہاتھ پر فتنۂ قادیانیت کے محاسبہ و تعاقب کے لیے زندگی وقف کرنے کی بیعت کی۔ حضرت امیرِ شریعت نے مجلسِ احرارِ اسلام کے تحت ''شعبہ تبلیغ تحفظِ ختمِ نبوت'' قائم کر کے قافلہ ختمِ نبوت تشکیل دیا اور ۲۱، ۲۲، ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو مجلسِ احرارِ اسلام نے قادیان میں تین روزہ آل انڈیا احرارِ اسلام کانفرنس منعقد کر کے ہندوستان کی صفِ اوّل کی دینی قیادت کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر دیا۔

پاکستان بن جانے کے بعد پہلے وزیر خارجہ موسیو ظفر اللہ خاں نے دیگر ممالک میں پاکستانی سفارت خانوں کو قادیانی تبلیغ کا اڈہ بنا دیا اور کراچی کے ایک جلسہ میں اپنی سرکاری حیثیت میں احمدیت کو زندہ اور اسلام کو مردہ مذہب قرار دیا۔ قادیانی سربراہ مرزا بشیر الدین محمود بلوچستان کو احمدی صوبہ قرار دینے کی باتیں کرنے لگا اور پاکستان کے اقتدار پر شب خون مارنے کی سازشیں ہونے لگیں۔ قادیانیوں نے ۱۹۵۲ء کو اپنا سال قرار دیا ۳۱ر دسمبر ۱۹۵۲ء کو چنیوٹ کی عظیم الشان سالانہ ختمِ نبوت کانفرنس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ربوہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ قادیانیوں ۵۲ء گزر چکا اور ۵۳ء ہمارا ہے۔ چنانچہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے مجلسِ احرارِ اسلام کی میزبانی میں کل جماعتی مجلسِ عمل تحفظِ ختمِ نبوت کا مشترکہ پلیٹ فارم تشکیل دیا۔ دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور شیعہ سمیت تمام مکاتب فکر اور سیاسی زعماء کو یکجا کر دیا۔ اس تحریک کے تین مطالبات تھے لاہوری و قادیانی مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔ کلیدی عہدوں سے مرزائیوں کو الگ کیا جائے۔ ظفر اللہ خاں کو وزارتِ خارجہ سے سبکدوش کیا جائے۔ اِن مطالبات کی روشنی میں تحریک چلی۔ وقت کی لیگی حکومت نے تحریک کے پرامن مطالبات کو تسلیم کرنے کی بجائے تحریک کو تشدد سے کچلا۔ جنرل اعظم خاں نے ہلاکو خاں کا کردار ادا کیا۔ ظلم و سفاکی کی انتہا ہوئی اور کراچی، ملتان، لاہور، سیالکوٹ فیصل آباد، ساہیوال اور دیگر شہروں میں دس ہزار عاشقان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خون سے لت پت کر دیا گیا اور مال روڈ شہداء کے مقدس خون سے رنگین ہوگئی۔

تحریک کی قیادت کو گرفتار کرلیا گیا اور مجلسِ احرارِ اسلام کو خلاف قانون قرار دے کر اس کے دفاتر ضبط کر لیے انہی شہداء کی یاد میں ہر سال مجلسِ احرارِ اسلام کے زیرِ اہتمام لاہور، چناب نگر، ملتان سمیت ملک کے مختلف حصوں میں ختمِ نبوت کانفرنسوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

اِس سلسلے کی ایک اہم کانفرنس یکم اپریل ۲۰۱۰ء بروز جمعرات چیچہ وطنی کی مرکزی جامع مسجد میں حضرت امیر شریعت مرحوم کے صاحبزادے اور مجلسِ احرارِ اسلام کے امیر حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری کی زیرِ سرپرستی، صاحبزادہ رشید احمد (فرزندِ ارجمند حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ العالی) کی زیرِ صدارت اور مجاہدِ ختمِ نبوت جناب عبداللطیف خالد چیمہ کی زیرِ نگرانی منعقد ہوئی۔ جلسہ گاہ کو تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت کے مطالبات پر مشتمل بینروں سے خوب سجایا گیا تھا اور احرار کے سرخ ہلالی پرچم بھی لہرا رہے تھے۔ جامع مسجد بازار اور اردگرد کا ماحول کانفرنس کے لیے مدد و معاون نظر آرہا تھا۔ کانفرنس سے قائدِ احرار سید عطاء المہیمن بخاری، قائد ملتِ اسلامیہ مولانا محمد احمد لدھیانوی، شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی سیکرٹری جنرل پاکستان شریعت کونسل، مرکزی جمعیت اہلحدیث کے مرکزی رہنما مولانا محمد عبداللہ گورداسپوری، انٹرنیشنل ختمِ نبوت موومنٹ پاکستان کے رابطہ سیکرٹری قاری محمد رفیق وجھوی، مجلسِ احرارِ اسلام کے مرکزی رہنما سید محمد کفیل بخاری، مولانا قاری محمد طیب حنفی مہتمم جامعہ حنفیہ چانسلر اسلامک یونیورسٹی بوریوالہ، حضرت مولانا ظفر احمد قاسم مدیر جامعہ خالد بن ولید وہاڑی، قاری محمد یوسف احرار سیکرٹری اطلاعات مجلس احرارِ اسلام پاکستان، مولانا عبدالستار عیدہ گاہ ساہیوال، قاری منظور احمد طاہر امیر جمعیت اہل سنت والجماعت ساہیوال، مولانا کلیم اللہ رشیدی مہتمم جامعہ رشیدیہ ساہیوال، قاری سعید ابن شہید ناظم جامعہ رشیدیہ ساہیوال، قاری عتیق الرحمٰن جامع مسجد نور ساہیوال، قاری بشیر احمد انٹرنیشنل ختمِ نبوت موومنٹ ساہیوال، جناب محمد اسلم بھٹی عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوت ساہیوال سمیت متعدد رہنماؤں نے شرکت و خطاب کیا جبکہ حافظ محمد اکرم احرار، مولانا شاہد عمران عارفی ساہیوال اور حافظ محمد مغیرہ نے اپنی خوبصورت آواز میں نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور شہداء ختمِ نبوت کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ کانفرنس کی نقابت کے فرائض حافظ محمد عابد مسعود ڈوگر انجام دیے۔ اجتماع گاہ کے مین گیٹ پر ایک استقبالیہ کیمپ لگایا گیا جہاں حافظ محمد آصف سلیم کی زیرِ نگرانی احرار کارکن آنے والے مہمانوں کا پرتپاک استقبال کررہے تھے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایک روز پہلے ہی سے دور دراز سے احرار کارکن چیچہ وطنی پہنچنا شروع ہوگئے۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ دارالعلوم ختمِ نبوت چیچہ وطنی کے صدر مدرس قاری محمد قاسم، مرکزی مسجد عثمانیہ کے خطیب مولانا منظور احمد، حافظ حبیب اللہ رشیدی، حافظ محمد عابد مسعود ڈوگر، حکیم حافظ محمد قاسم، محمد رمضان جلوی، مولانا محمد صفدر عباس، حافظ محمد شریف، قاری محمد سدید، بھائی محمد رشید چیمہ، حاجی عیش محمد رضوان، محمد ارشد چوہان، قاری محمد اشرف، ابونعمان چیمہ، قاضی عبدالقدیر، محمد عمر فاروق صدیقی، بابر رفیق، حافظ محمد معاویہ الحسینی اور ان حضرات کے قابلِ قدر اور محنتی ساتھی و کارکن گزشتہ کئی دنوں سے کانفرنس کو کامیاب اور مؤثر بنانے کے لیے دن رات مصروف رہے۔ بیرونی مہمانوں کے قیام و طعام کا خاطر خواہ انتظام کیا گیا تھا۔ سکیورٹی انتظامات کے لیے حافظ حبیب اللہ چیمہ اور شیخ تنویر احمد کی نگرانی میں پوری ایک ٹیم متعین کی گئی تھی جس نے اجتماع گاہ کو اپنے کنٹرول میں لیا ہوا تھا۔ پنڈال میں تحریک ختمِ نبوت سے متعلق مختلف نعروں اور مطالبات پر مبنی بینرز خوبصورت انداز میں لہرا رہے تھے۔ ہمارے علاقے میں مجلسِ احرارِ اسلام نے تنظیمی و تحریکی کام کے ساتھ ساتھ جس نظریاتی و فکری اور علمی و تحقیقی کام کا بیڑا ابھی اٹھایا ہوا ہے وہ وقت کی ضرورت ہے۔ ہمارے خیال میں جذباتی و سطحی جنگ پر اپنی توانائیاں (گستاخی معاف) ''ضائع'' کرنے کی بجائے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ مثبت کام ہی دوررس نتائج کا حامل ہوسکتا ہے۔ سو ہم بہت سے تحفظات کے باوجود دینی حلقوں کے لیے اپنے دل میں بڑا نرم گوشہ رکھتے ہیں اور ہر ممکن صحافتی تعاون بھی کرتے ہیں لیکن ہمارے لیے زیادہ خوشی کا باعث ہے کہ تحریکِ ختمِ نبوت کے سرگرم رہنما عبداللطیف خالد چیمہ نے بڑے طویل تجربات کے بعد ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ حالات کا ادراک کرتے ہوئے ایک ایسا حلقہ ترتیب دے دیا ہے جو روایتی انداز کی بجائے حقیقی صورتحال کے مطابق اپنا

لائحہ عمل مرتب کرتا ہے اور یہ حلقہ قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں کے سدباب کے لیے نہ صرف مقامی وعلاقائی بلکہ ملکی و بین لاقوامی سطح پر بھی اپنا ایک مثبت کردار مسلسل ادا کر رہا ہے۔ ان حالات میں جب کہ ملک سنگین صورتحال سے دوچار ہے۔ بلیک واٹر کے لیے اسلام آباد میں قادیانی لابی کی طرف سے وسیع رقبے خریدنے جیسی خبریں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ بین الاقوامی لابیاں لادین این جی اوز عوام کے فکر ونظر پر اثر انداز ہو رہی ہیں اور ذرائع ابلاغ اِنسانی سوچوں کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ آئینی اصلاحات اور دستور کو اپنی اصلی حالت میں بحال کرنے کی باتیں زبان زدِ خاص وعام ہیں۔ تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور تحفظ ختم نبوت جیسے قوانین خطرات اور سازشوں کی زد میں ہیں اور قادیانی عنصر خطرناک حد تک ملک کی سیاسی پالیسیوں پر اثر انداز ہونے کے لیے سرگرم ہے۔ اس عظیم الشان ''احرار ختم نبوت کانفرنس'' کے مقررین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تحفظِ ختم نبوت اور قانون تحفظ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی آئینی ترمیم یا ۱۹۷۳ء کے آئین کی اصلی حالت میں بحالی کے نام پر سبوتاژ کرنے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوگی۔ آئین کی اسلامی دفعات ملک کے نظریاتی وجغرافیائی تحفظ کے لیے ناگزیر ہیں۔ اِن کا خاتمہ کرنے والے عالمِ کفر اور امریکی ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں۔ وفاقی وزیر مذہبی امور مولانا حامد سعید کاظمی قادیانی وفد سے اپنی ملاقات کی تفصیل کو چھپانے کی بجائے عوام کو آگاہ کریں اور دینی حلقوں کو اعتماد میں لیں۔ جانشین امیر شریعت حضرت پیر جی **سید عطاء المہیمن بخاری** نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ اپنی سفاکی اور انسان دشمنی چھپانے کے لیے مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگا رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ آئینی اصلاحات یا دستور کی اصل شکل میں بحالی کے نام پر تحفظِ ختم نبوت اور تحفظ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے قوانین پر کوئی وار نہیں چلنے دیا جائے گا اور اگر یہ سازش کی گئی تو تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے شہداء کی طرح ہم بھی یہ وار اپنے سینوں پر برداشت کر لیں گے لیکن ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ انھوں نے کہا کہ قادیانی اسمبلی کے فلور پر بھی شکست سے دوچار ہوئے اور ہر محاذ پر ذلت ورسوائی ان کا مقدر بنی وہ اپنی رسوائیوں کا انتقام امت مسلمہ سے لینا چاہتے ہیں اور حکومت اور سیاستدانوں کو ہوش کے ناخن لینا چاہیں۔ **مولانا محمد احمد لدھیانوی** نے کہا کہ عقیدہ ختم نبوت کے اولین پاسبان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ تحفظ ختم نبوت اور تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے مورچے ہیں ہم ان مورچوں کے سپاہی۔ انھوں نے کہا کہ امریکہ اور حکمرانوں کی طرف سے ہمیں بار بار دہشت گرد کہنا ہمارے عزم وہمت کو پست نہیں کر سکتا۔ یہ طعنے وہ دے رہے ہیں جو دہشت گردی کا موجب ہیں۔ انھوں نے کہا کہ منکرین ختم نبوت اور منکرین صحابہ رضی اللہ عنہم مسلمانوں کا روپ دھار کر دنیا کو دھوکا دے رہے ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کی قیادت میں ۱۹۵۳ء میں تمام مکاتب فکر کی رہنمائی میں مثالی تحریک چلی اور دس ہزار نہتے مسلمانوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ یہ اس سرزمین پر ہوا جو کلمہ طیبہ کے نام پر معرض وجود میں آئی۔ انھوں نے کہا کہ کراچی میں امیر ختم نبوت مولانا سعید احمد جلال پوری اور عبدالغفور ندیم اور ان کے فرزندان اور رفقاء کو بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔ اس ظلم کے خلاف صدائے احتجاج کو دبا کر حکومت ظلم اور کفر کی سرپرستی کر رہی ہے لیکن ہم صبر سے کام لے رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یاد رکھنا چاہیے کہ صبر اور ظلم کے دن اب تھوڑے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ الزام ہے کہ میں ایک صوبائی وزیر کی گاڑی میں بیٹھا۔ حقیقت یہ ہے کہ صوبائی وزیر ہماری گاڑی میں بیٹھے تھے۔ **مولانا زاہد الراشدی** نے کہا کہ قادیانیوں کے وفد کی وفاقی وزیر مذہبی امور سے ملاقات پر دینی حلقوں اور تحریک ختم نبوت کو تحفظات ہیں۔ ملاقات کو دانستہ میڈیا سے کیوں دور رکھا گیا۔ انھوں نے کہا کہ قادیانی دستور وآئین کی پابندی کرنے سے اعلانیہ انکاری ہیں۔ قادیانی اپنی وطن دشمن سرگرمیوں کا خود ساختہ اخلاقی جواز اور تحفظ چاہتے ہیں اور اس کے لیے وہ غیر ملکی سہارے ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ صوفی ازم کی اصطلاح کو مرضی کا رنگ دے کر شریعت سے بے راہ روی کا راستہ دینے والے صوفی ازم کے اصل مفہوم کو دانستہ بگاڑ رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ دیوبندی بریلوی فسادات بھڑکانے کے لیے خطیر رقم استعمال میں لائی جا رہی ہے

لیکن باشعور عوام دیوبندی بریلوی فسادات کی حقیقت سے آگاہ ہیں۔انھوں نے کہا کہ وفاقی وزیر مذہبی امور صرف ایک مسلک کے وزیر کی حیثیت سے کام نہ کریں۔انھیں قادیانی وفد سے خفیہ ملاقات اور فرقہ وارانہ فسادات کے حوالے سے اپنی پوزیشن کھل کر واضح کرنی چاہیے۔**مولانا محمد عبداللہ گورداسپوری** نے کہا کہ تمام مکاتب فکر عقیدۂ ختم نبوت کی پاسبانی میں ایک رائے رکھتے ہیں۔قادیان (ہندوستان) کی طرح (ربوہ) پاکستان بھی سامراجی گماشتوں کی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔**پروفیسر خالد شبیر احمد** نے کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت دراصل امت کے اتحاد کا مرکزی نکتہ ہے،ہم شہداء ختم نبوت کے مقدس خون کے وارث ہیں۔**سید محمد کفیل بخاری** نے کہا کہ مسیلمہ کذاب سے مرزائی قادیانی تک جھوٹے نبیوں کے خلاف اسلام کے سپوت نبرآزما رہے ہیں۔انھوں نے کہا کہ قادیانیوں کا سیاسی ومعاشرتی سدباب زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔**محمد اسلم علی پوری (ڈنمارک)** نے کہا کہ قادیانی اسلام کا ٹائٹل استعمال کر کے پوری دنیا میں دھوکا دہی سے کام لے رہے ہیں۔**قاری محمد رفیق وجھوی** نے کہا کہ مجلس احرارِ اسلام نے عقیدۂ ختم نبوت کے لیے جو طویل جدوجہد کی وہ امت کا عظیم اثاثہ ہے۔انھوں نے کہا کہ شیزان سمیت قادیانی مصنوعات کا بائیکاٹ ہماری دینی غیرت کا تقاضا ہے۔ قادیانی مصوعات کا ایک خاص منافع اِرتداد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔کانفرنس کی مختلف قراردادوں میں مطالبہ کیا گیا کہ☆کراچی میں مولانا سعید احمد جلال پوری،مولانا عبدالغفور ندیم اوران کے ساتھیوں کے قتل کے ملزمان کو بلاتاخیر گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے ☆یوسف کذاب کے خلیفہ زید حامد کی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے ☆چناب نگر سمیت ملک بھر میں یکساں طور پر امتناع قادیانیت ایکٹ پر مؤثر عمل درآمد کرایا جائے ☆مرتد کی شرعی سزا نافذ کی جائے ☆روزنامہ ''الفضل'' سمیت تمام قادیانی اخبارات و جرائد کے ڈیکلریشن منسوخ کئے جائیں اجتماع گاہ میں تاریخ احرار ۱۹۲۹ء تا موجودہ دور کا ایک بہت بڑا بینر آویزاں کیا گیا تھا جو کے عوام کی خصوصی توجہ کا مرکز رہا۔کانفرنس کا اختتام رات ۲ بجے صاحبزادہ رشید احمد کی دعا سے ہوا۔

راولپنڈی میں عبداللطیف خالد چیمہ کے اعزاز میں عشائیہ:(رپورٹ:محمد عمیر)

سورج طلوع ہوکر غروب ہوجاتا ہے لیکن حسنِ اتفاق سے کبھی کبھار کوئی شام دل پر نقوش چھوڑتی ہے۔ایسی ہی ایک شام (۱۰/اپریل) جب تحریک ختم نبوت کے رہنما اور مجلس احرار اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ راولپنڈی تشریف لائے۔چیچہ وطنی سے وہ ۷/اپریل کو ملتان پہنچ کر قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری کی معیت میں کلورکوٹ ختم نبوت کانفرنس میں شرکت اور ۸/اپریل کو خانقاہ سراجیہ میں حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدّ ظلہ العالی کے ہاں حاضری کے بعد ۹/اپریل کو تلہ گنگ میں ختم نبوت کانفرنس میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شریک ہونے کے بعد ۱۰/اپریل کو راولپنڈی پہنچے تو روزنامہ ''امت'' کراچی سے سینئر صحافی جناب سیف اللہ خالد کے ہاں ان کا قیام تھا۔پہلے سے اطلاع پر میں اپنی یونیورسٹی ٹیکسلا سے راولپنڈی سیف اللہ خالد کی رہائش گاہ پہنچا۔کھانے اور چائے پر ان دو حضرات سے ملاقات ہوئی۔سوالوں کی بوچھاڑ تھی۔دونوں شخصیات کو انتہائی تحمل اور بردباری سے ہر بات کا جواب دیا گیا۔جمعیت علماء اسلام کے ایک ممتاز رہنما اور اسلام آباد کی جامع مسجد سیدنا سلمان فارسیؓ کے خطیب مولانا عبدالخالق تو میرے پہنچنے سے قبل ان سے مل کر تشریف لے جا چکے تھے ورنہ ہمارے سوالات کی فہرست کی تیاری رہتی ہے۔سیف اللہ خالد کے حلقۂ یاراں اور معلومات سے جی بھر کے مستفید ہوا۔مختلف حضرات کی آمد ہوتی رہی۔مفتی اعظم اسلام آباد حضرت مولانا محمد شریف ہزاروی اوران کے ساتھ ایک سینئر صحافی رعایت اللہ فاروقی بھی تشریف لائے۔ان کی آمد سے ماحول میں تبدیلی آگئی۔عشاء کی نماز کے بعد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اسلام آباد سیکرٹری جنرل قاری عبدالوحید قاسمی،مفتی عمر فاروق (اوصاف)،مولانا عبدالقدوس محمدی (اسلام)، فیصل جاوید (جنگ)،مولانا مفتی مجیب الرحمٰن (راولپنڈی)،مولانا شمس الرحمان معاویہ (اہل سنت والجماعت) اور کئی دیگر حضرات تشریف لے آئے۔کھانے کا آغاز اور اختتام ایک شاندار اور یادگار نشست رہی۔

رعایت اللہ فاروقی کی کھری اور زیادہ واضح شخصیت بہت متاثر کن تھی۔بہت عرصہ بعد دینی حلقوں میں ایک ایسی

شخصیت کو بھی دیکھا جو کھری بات کرتے اور دوسرے کی بات کو بھی قبول کرنے پر آمادہ ہو ہی جاتے۔ بڑی خوبیوں کے مالک ہیں (ان کی شخصیت پر ان شاء اللہ تعالیٰ الگ سے لکھنے کی کوشش کروں گا)۔ حضرت مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا محمد یوسف لدھیانوی کا شاگرد اور مفتی سعید احمد جلال پوری کا تربیت یافتہ آخر متاثر کن ہی ہوگا۔

فاروقی صاحب نے انور مسعود کا ایک واقعہ سنایا ''انور مسعود کہتے ہیں کہ منیر نیازی نے ان سے کہا کہ قرآن پاک کی آیات اتنی خوبصورت ہیں کہ وہ بے خمیر لوگوں سے پردہ کر لیتی ہیں۔'' دارالعلوم ختم نبوت چیچہ وطنی سے محترم قاری محمد قاسم کے درجۂ حفظ کے شاگرد زوہیب عمر (جو آج کل قائداعظم یونیورسٹی میں ایم فل کر رہے ہیں) نے مفتی محمد شریف ہزاروی اور فاروقی صاحب سے انتہائی دلچسپ مکالمہ کیا۔ عالمی سیاست سے لے کر فنونِ لطیفہ تک زوہیب بھائی نے انتہائی مدلل اور دلچسپ گفتگو کی۔

محترم عبداللطیف خالد چیمہ، مولانا شمس الرحمٰن معاویہ اور جناب سیف اللہ خالد نے بھی گفتگو کو دلچسپ بنائے رکھا۔ کھانے کے دوران مولانا مفتی محمد شریف سوالات کا مرکز تھے لیکن تسلی بخش جوابات فاروقی صاحب نے دیے۔ کھانے کے بعد علماء کرام تشریف لے گئے اور ختم نبوت مشن کے شعوری کارکن اس سوچ میں گم ہو گئے کہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر قادیانی ریشہ دوانیوں کے سد باب کے لیے کام کرنے کی ضرورت ہے اور عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں۔ جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے اس محاذ پر کام کی اہمیت کا تذکرہ کیا سب نے اپنی اپنی جگہ منصوبہ بندی اور مشاورت سے کام کا آغاز کرنے کا ارادہ وعزم ظاہر کیا۔ ایک لائحہ عمل طے ہوا اور میڈیا واچ گروپ کے آئندہ اجلاس تک کی حکمت عملی بھی طے پائی۔ اگلے روز ۱۱/اپریل کو جناب مسعود اشفاق نے اسلام آباد میں ضیافت کا اہتمام کیا اور ہم نے مہمانِ مکرم کو گجرات کے لیے روانہ کیا۔ ۱۲/اپریل کو جامع مسجد حراء لاہور میں ختم نبوت کانفرنس میں شریک ہوئے اور ۱۳/اپریل کو چیچہ وطنی پہنچ گئے۔

☆☆☆

اسلام آباد (۱۰/اپریل) متحدہ تحریک ختم نبوت رابطہ کمیٹی پاکستان کے کنوینئر اور مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا ہے کہ اے این پی سمیت بعض سیاستدانوں کی طرف سے آئین میں صدر کے لیے مسلمان ہونے کی شرط ختم کرنے جیسے مطالبات کے پیچھے دین دشمنی اور قیام ملک کے مقاصد سے صریحاً انحراف اور غداری کے مترادف ہے۔ آئینی اصلاحات کی کمیٹی نے اسلامی دفعات میں ترامیم کی سفارشات کو مسترد کر کے اِن دفعات کے خلاف ہونے والی سازشوں کو ناکام بنا دیا ہے جس پر آئینی اصلاحاتی کمیٹی مبارک باد کی مستحق ہے لیکن دینی قوتوں کو بین الاقوامی لاہوری اور قادیانی ریشہ دوانیوں سے خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔ وہ مجلس احرارِ اسلام کے زیر اہتمام جامع مسجد سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) تلہ گنگ میں تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے شہداء کی یاد میں منعقدہ ''ختم نبوت کانفرنس'' سے خطاب کر رہے تھے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت تلہ گنگ کے امیر مولانا عبیدالرحمٰن انور، سابق قادیانی محمد طاہر شبیر اور مولانا تنویر الحسن نے بھی خطاب کیا۔ عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ ۱۹۵۳ء میں دس ہزار فرزندان توحید نے اپنے مقدس خون سے کفر وارتداد کا راستہ روکا ورنہ اس وقت کے وزیر خارجہ مسٹر ظفر اللہ خاں اور قادیانی خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود پاکستان کے اقتدار پر شب خون مارنے کی تیاریاں کر چکے تھے اور بلوچستان کو احمدی صوبہ بنانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ مسٹر ظفر اللہ خاں نے اپنی زبان سے کراچی کے جلسۂ عام میں احمدیت کو زندہ اور اسلام کو مردہ مذہب قرار دیا تب حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم نے تمام مکاتب فکر کو یکجا کر کے تحریک ختم نبوت برپا کی۔ اس وقت کی لیگی حکومت نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی بجائے دس ہزار فرزندان توحید کے خون سے ہاتھ رنگے اور مارشل لاء کا پہلا تجربہ ریاستی تشدد تحریک ختم نبوت پر آزمایا گیا۔ شہداء ختم نبوت اور اکابر احرار کی قربانیاں رنگ لائیں اور بھٹو مرحوم نے پارلیمنٹ میں لاہوری و

قادیانی مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا۔انھوں نے کہا کہ بھٹو مرحوم نے اڈیالہ جیل اپنی زندگی کے آخری ایام اسیری کے دوران ڈیوٹی افسر کرنل رفیع الدین سے کہا کہ '' قادیانی پاکستان میں وہی مرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں جو یہودیوں کو امریکہ میں حاصل ہے۔'' عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا ہے کہ قادیانی پارلیمنٹ اور اعلیٰ عدالتی فیصلوں کو تسلیم کرنے کی بجائے وہ ان کے خلاف مہم چلا رہے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان اور پوری دنیا کے ڈیڑھ ارب مسلمانوں کو کافر کہہ رہے ہیں۔انھوں نے کہا کہ ایسے میں قادیانیوں کے مذہبی تعاقب کے ساتھ ساتھ ان کے سیاسی و معاشرتی سدباب کی بھی ضرورت ہے۔انھوں نے کہا کہ وفاقی وزیر مذہبی امور مولانا حامد سعید کاظمی خود یا ان کی وزارت جتنی چاہیں وضاحتیں کریں ہمارا سوال وہیں کا وہیں ہے کہ وہ یہ بتائیں کہ قادیانی وفد سے ملاقات کا ایجنڈا کیا تھا اور ملاقات کو مخفی کیوں رکھا گیا اور میڈیا سے کیوں چھپایا گیا؟ دیگر مقررین نے کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کی پرامن جدوجہد جاری ہے اور جاری رہے گی قادیانیت یہودیت کا چربہ ہے۔اس کی حقیقت سے دنیا کو آگاہ کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ کانفرنس کے بعد ایک تربیتی نشست سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے تعلیم و تربیت اور میڈیا کی اشد ضرورت ہے۔نوجوان نسل کو دین بیزار طبقات سے محفوظ رکھنے کے لیے دینی فکر و نظر پر مبنی کورسز کی اشد ضرورت ہے۔ تعلیم یافتہ طبقات تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے جدید ذریعے اختیار کرنے چاہیں۔کانفرنس میں مطالبہ کیا گیا کہ مرتد کی شرعی سزا نافذ کی جائے، امتناع قادیانیت ایکٹ پر مؤثر عمل درآمد کرایا جائے۔

☆☆☆

گجرات (۱۱/اپریل) تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے دس ہزار شہداء کی یاد میں مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام مدرسہ محمودیہ معمورہ (ناگڑیاں) گجرات میں منعقدہ سالانہ ''تحفظ ختم نبوت'' کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے علماء کرام، دینی و سیاسی رہنماؤں نے کہا ہے کہ قادیانیوں کے کفریہ عقائد پر ۱۹۷۴ء کی قومی اسمبلی نے مہرِ تصدیق ثبت کر کے قرارداد اقلیت کو آئین کا حصہ بنایا۔۱۹۸۴ء میں امتناعِ قادیانیت ایکٹ تعزیراتِ پاکستان کا حصہ بنا اور اعلیٰ عدالتوں نے قادیانی کفر کو بے نقاب کیا۔کانفرنس سے مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر مرکزیہ سید عطاء المہیمن بخاری، سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ، مولانا محمد اکمل، مولانا ندیم جعفر، مولانا قاسم گجر، قمر شہزاد فاروقی، حافظ محمد ضیاء اللہ ہاشمی اور مولانا محمد عابد نے خطاب کیا جبکہ مولانا احسان اللہ، مولانا عبدالرزاق، مولانا عبدالرحمٰن (وزیرآباد)، مولانا الیاس احمد، مولانا ضیاء اللہ اور دیگر علماء نے خصوصی شرکت کی۔

سید عطاء المہیمن بخاری نے کے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ملکی دفاع کے لیے ضروری ہے کہ حکمران اور سیاستدان قادیانی سرگرمیوں پر چیک رکھیں۔اکھنڈ بھارت قادیانیوں کا مذہبی عقیدہ ہے۔اسرائیلی فوج میں سینکڑوں قادیانی صہیونی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔انھوں نے کہا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا تحفظ پوری امت کے مسلمہ کے مشترکہ اور متحدہ مسئلہ ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تمام مسلمانوں کی عقیدت کا مرکز و محور ہے۔انھوں نے کہا کہ یہ ملک اسلام کے نفاذ کے نام پر معرض وجود میں آیا اور اسلام کے نفاذ سے ہی قائم رہ سکتا ہے۔مجلس احرار اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا قادیانیوں کے مذہبی تعاقب کا حق ادا ہو رہا ہے۔لیکن قادیانیوں کے سیاسی و معاشرتی تعاقب کی پوری دنیا میں اشد ضرورت ہے۔انھوں نے کہا کہ شہداء تحریکِ مقدس ۱۹۵۳ء نے اپنے مقدس خون سے جہاں عقیدۂ ختم نبوت کی آبیاری کی وہاں وطنِ عزیز کو قادیانی اسٹیٹ بننے سے بچایا۔انھوں نے کہا کہ ۱۹۵۳ء کے دس ہزار شہداء کی یاد منانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تحریک ختم نبوت کو پوری دنیا میں جدید اسلوب کے ساتھ منظم کیا جائے۔مولانا محمد اکمل، مولانا ندیم جعفر اور دیگر مقررین نے کہا کہ قرآن و سنت اور اجماعِ امت کی روشنی میں لاہوری قادیانی گروہ اور منکرین ختم نبوت کے تمام گروہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

Brands Icon Award 2008 given to Rooh Afza

کامیابی کا یہ قصّہ نیا نہیں
پھر بھی اتنا ہی تازہ ...

اور اس سال Brands Icon Award کا اعزاز اس قصّے کا ایک تازہ ترین باب ہے
جو کہ پاکستان کے صرف سات منفرد برانڈز کو نوازا گیا ہے۔
ایک ایسے برانڈ کے لئے جس نے سو سال سے اپنے اعلیٰ معیار کو مسلسل برقرار رکھا ہوا ہے
یہ اعزاز جیسے روز کی بات ہو۔ گو کہ ہر بار یہ خبر اتنی ہی تازہ ہوتی ہے جیسے کہ دنیا کا سب سے
بہترین روایتی مشروب ... روح افزا

Brands of the Year Award 2008

Consumers Choice Award 2008

Merit Export Award 2007-2008

Brands of the year Award 2008
www.BrandsAward.com

ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان
ISO 9001: 2000 & ISO 22000: 2005 CERTIFIED

Tel: (009221) 6616001-4, E-mail: headoffice@hamdard.com.pk, www.hamdard.com.pk

CARE کیئر
PHARMACY فارمیسی

Trusted Medicine Super Stores

سلیمی چوک	**مدینہ ٹاؤن**	**اقبال سٹیڈیم**
اعوان پلازہ	سوساں روڈ	بالمقابل سندباد
041-8540064	041-8543127	041-2605733
جناح کالونی	فیصل آباد میں پانچ برانچز الحمدللہ	**گلستان کالونی**
گلبرگ روڈ		نزد عزیز فاطمہ ہسپتال
041-2642833		041-2004509

اصلی اور معیاری ادویات کی مکمل ورائٹی کے ساتھ آپ کی خدمت کے لیے 24 گھنٹے کھلی ہیں

مستند کمپنیوں کی گارنٹیڈ ادویات کی مکمل رینج

سول یا الائیڈ ہسپتال جانے کی ضرورت نہیں فیصل آباد کا سب سے بڑا میڈیکل سٹور اب آپ کے علاقہ میں آپ کی خدمت کے لیے

ادویات کو قبل از وقت خراب ہونے سے بچانے کے لیے طبی معیار کے عین مطابق ائیر کنڈیشنڈ اور محفوظ صحت بخش ماحول

بجلی کے شدید بحران میں 24 گھنٹے جنریٹر کی سہولت کے ساتھ صرف کیئر فارمیسی پر ممکن ہے

Head Office: 1-Saint Mary's Park, Gulberg III, Lahore